ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
26
www.tanzeem.org
19 تا 26 رمضان المبارک 1436ھ / 7 تا 13 جولائی 2015ء

اس شمارے میں

ایم کیو ایم پر بی بی سی کے سنگین الزامات

روزے کے احکام

......ستارہ تو ہے

لیلۃ القدر

جمہوریت اور عالم اسلام

رمضان المبارک اور ہم

اخلاص کی اہمیت

پاکستانی قوم: عذاب کی زد میں

لیلۃ القدر کی فضیلت

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کے احوال بتائے اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کے چار لوگ ایسے تھے کہ جنہوں نے اسّی سال اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کی کہ ایک لمحہ کے لیے بھی نافرمانی نہیں کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ سنا تو ان کے دل میں یہ حسرت ہوئی کہ کاش ہمیں بھی اتنی لمبی زندگی عبادت گزاری کے لیے مل جاتی، تو ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر رب کریم نے سورۃ القدر نازل فرمائی جس میں فرمایا کہ اس میں ایک رات ایسی ہے جس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝﴾ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ اب ہزار مہینوں کے اگر سال بنائیں تو 83 سال سے کچھ اوپر بنتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بندہ رمضان المبارک کی اس رات میں عبادت کا ثواب پالے گا اس نے گویا 83 سال کی عبادت کا ثواب پالیا اور آج کل ہمارے زمانے کے لوگوں کی عمر 60 اور 70 کے درمیان ہیں۔ 80 تک تو مشکل سے ہی لوگ پہنچتے ہیں، تو گویا ایک رات کی عبادت ایک طرف اور ساری زندگی کی عبادت ایک طرف۔ جب معاملہ اتنا خاص ہے تو ہر مؤمن کے دل میں یہ تڑپ ہونی چاہیے کہ ہمیں لیلۃ القدر میں عبادت کرنے کی سعادت نصیب ہو جائے۔

مولانا ذوالفقار احمد

الہدیٰ (666)

ڈاکٹر اسرار احمد

اللہ دلوں کے حال جانتا ہے

سُورۃ بَنِیٓ اِسْرَآءِیل | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | آیات:25، 26

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝۲۶

آیت ۲۵ ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵﴾ ’’تمہارا رب خوب واقف ہے اس سے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم واقعی نیک ہو گے تو وہ (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں کے لیے بڑا بخشنے والا ہے۔‘‘

بوڑھے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم پر کماحقہ عمل کرنا آسان کام نہیں۔ بڑھاپے میں انسان پر ’’ارذل عمر‘‘ کا مرحلہ بھی آتا ہے‘ جس کے بارے میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۭ﴾ (النحل: ۷۰)۔ ایسی کیفیت میں کبھی بچوں کی سی عادتیں لوٹ آتی ہیں اور ان کی بہت سی باتیں ناقابل عمل اور اکثر احکام ناقابل تعمیل ہوتے ہیں۔ کہیں انہیں سمجھانا بھی پڑتا ہے اور کبھی روکنے ٹوکنے کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ یہاں اس سیاق و سباق میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف تمہارے ظاہری عمل اور رویے ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کی نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ چنانچہ اگر بندے کے دل کا رجوع اللہ کی طرف ہو اور نیت اس کی نافرمانی کی نہ ہو تو چھوٹی موٹی لغزشوں کو وہ معاف فرمانے والا ہے۔

آیت ۲۶ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝۲۶﴾ ’’اور حق ادا کرو قرابت داروں‘ مسکینوں اور مسافروں کا اور فضول میں مال مت اڑاؤ۔‘‘

تبذیر کے معنی بلاضرورت مال اڑانے کے ہیں اور یہ اسراف سے بڑا جرم ہے۔ اسراف تو یہ ہے کہ کسی ضرورت میں ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے۔ مثلاً کھانا کھانا ایک ضرورت ہے اور یہ ضرورت دو روٹیوں اور تھوڑے سے سالن سے بخوبی پوری ہو جاتی ہے‘ مگر اسی ضرورت کے لیے اگر کئی کھانوں پر مشتمل دسترخوان سجا دیے جائیں تو یہ اسراف ہے۔ اسی طرح کپڑا انسان کی ضرورت ہے جس کے لیے ایک دو جوڑے کافی ہیں۔ اب اگر الماریوں کی الماریاں طرح طرح کے جوڑوں‘ سوٹوں اور پوشاکوں سے بھری پڑی رہیں تو یہ اسراف کے زمرے میں آئے گا۔ اسراف کے مقابلے میں تبذیر سے مراد ایسے بے تحاشا اخراجات ہیں جن کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہو‘ مثلاً شادی بیاہ کی رسموں پر بے حساب خرچ کرنا اور نام و نمود کے لیے طرح طرح کے مواقع پیدا کر کے ان پر مال و دولت کو ضائع کرنا تبذیر ہے۔

فرمان نبویؐ

اسراف اور استکبار سے بچو

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ رحمہ اللہ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَا لَمْ يُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَلَا مَخِيْلَةٌ)) (رواہ احمد ونسائی وابن ماجہ)

عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اجازت ہے کھاؤ، پیو، دوسروں پر صدقہ کرو، اور کپڑے بنا کر پہنو، بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر واستکبار نہ ہو۔‘‘

تشریح: کھانے پینے کی چیزیں اور لباس اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ جس کو اچھی خوراک اور اچھا لباس میسر ہوا سے ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔ شرط یہ ہے کہ نہ تو اسراف ہو اور نہ دل میں فخر اور تکبر ہو۔

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

19 تا 26 رمضان المبارک 1436ھ جلد 24
7 تا 13 جولائی 2015ء شمارہ 26

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محمد خلیق
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: -36316638-36366638
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا-------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

ایم کیو ایم پر بی بی سی کے سنگین الزامات

بی بی سی عالمی سطح پر اچھی اور قابل اعتماد ساکھ رکھنے والا ایک بڑا نشریاتی ادارہ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ ایک پرانا ادارہ ہے جس کی ایک تاریخ ہے اور خبر کے حوالہ سے ایک کریڈیبلٹی ہے۔ دنیا اسے دیکھتی اور سنتی ہے اور اس کے کہے کو وزن دیتی ہے، لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس کی آواز کو حق اور سچ کی صدا سمجھا جائے یا اس کی رپورٹس کو من و عن تسلیم کر لیا جائے۔ حال ہی میں بی بی سی نے ایک ڈاکومینٹری کے ذریعے پاکستان کی ایک سیاسی جماعت ایم کیو ایم پر سنگین نوعیت کے الزامات عائد کیے ہیں۔ ان الزامات کے مطابق بھارت ایم کیو ایم کو پاکستان میں تخریب کاری کرنے کے لیے بھاری رقوم دیتا ہے۔ ایم کیو ایم کے سینکڑوں کارکن گزشتہ دس سالوں میں بھارت فوجی ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے گئے۔ گویا اِس ڈاکومنٹری کے مطابق پاکستان کے ازلی دشمن بھارت سے تعاون کرتے ہوئے پاکستان کی سلامتی کے خلاف ایم کیو ایم سازش کر رہی تھی۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ بی بی سی کی اس رپورٹ سے چند ہفتے قبل بھارتی وزیراعظم نریندر مودی بنگلہ دیش کے دورہ کے دوران اس جرم کا اعتراف کر چکے ہیں کہ بھارتی افواج نے 1971ء میں مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی کے روپ میں بین الاقوامی قوانین کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے پاکستان کی سلامتی کے خلاف عملی کارروائیاں کیں اور پاکستان کو دولخت کیا۔ لہٰذا فی الحال صرف ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ بھارت قولی اور عملی طور پر پاکستان کی سلامتی کا بدترین دشمن ہے۔ اب یہ پاکستان کی طرف سے الزام نہیں رہا بلکہ مجرم کا اعترافی بیان ہے۔

اس رپورٹ کے حوالہ سے اہل پاکستان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا پاکستان کی سیاسی جماعت ایم کیو ایم کا پاکستان دشمن ملک سے مال اور جان کا کوئی تعلق ہے؟ اس حوالہ سے ہماری گزارش یہ ہے کہ اگرچہ پاکستان کی فضاؤں میں بی بی سی کے الزامات سے ملتے جلتے الزامات ایک عرصہ سے گردش کر رہے تھے اور بہت سے تجزیہ کاروں اور کالم نگاروں کو یہ کہتے اور لکھتے پایا گیا کہ بی بی سی نے کون سے نئے انکشافات کیے ہیں، ہم تو عرصہ سے یہ سب کچھ عوام کو بتا رہے تھے، اس سب کچھ کے باوجود محض میڈیا میں ایم کیو ایم پر حملہ آور ہونا درست نہیں ہے۔ یہ ایک طرف اگر پاکستان کی سلامتی کا مسئلہ ہے تو دوسری طرف تیس پینتیس سالہ پرانی سیاسی جماعت کی ساکھ کا بھی مسئلہ ہے۔ لہٰذا بیان بازی اور الزام تراشی کی بجائے حقائق کا کھوج لگانے کی ضرورت ہے، اور یہ حکومت پاکستان اور ایم کیو ایم دونوں کی ضرورت ہے۔ ایم کیو ایم کو تو سنہری موقع میسر آیا ہے۔ وہ برطانیہ کی عدالت سے رجوع کرے اور بی بی سی کو الزامات ثابت کرنے کا چیلنج کرے۔ یہ بات ہم بہت دکھ سے زیر تحریر لا رہے ہیں کہ برطانیہ کی پولیس کا تفتیشی نظام اور وہاں کا عدالتی نظام پاکستان کی طرح فرسودہ اور سیاست زدہ نہیں ہے۔ وہاں کسی فرد یا جماعت پر اگر کوئی نشریاتی ادارہ جھوٹا اور بے بنیاد

الزام لگا دے تو اُس کو لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں اور اتنے بھاری ہرجانے ادا کرنا پڑتے ہیں کہ بڑے بڑے ادارے دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا کوئی اخبار یا الیکٹرانک میڈیا کسی بڑی ہستی یا گروہ پر الزامات عائد کرنے سے پہلے اپنے لیگل ایڈوائزر سے الزامات کے ایک ایک لفظ پر قانونی رائے لیتے ہیں اور وہ اُس وقت تک کوئی رپورٹ شائع یا بیان نہیں کرتے جب تک انہیں مکمل طور پر تسلی نہ ہو جائے کہ وہ ہر قسم کی قانونی چارہ جوئی کا مناسب جواب دے سکیں گے۔ بہر حال غلطی کا امکان ہر جگہ ہے، لہٰذا ہم اپنے ملک کی اس الزام زدہ سیاسی جماعت یعنی ایم کیو ایم سے پوری پوری ہمدردی رکھتے ہوئے اُسے کہیں گے کہ وہ فوری طور پر اور بلا تاخیر برطانیہ میں عدالتی کارروائی کرے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو سکے۔ بصورت دیگر یعنی اگر ایم کیو ایم بی بی سی کو عدالت میں چیلنج نہیں کرتی تو یہ اعتراف جرم کے مترادف ہوگا جو نہ صرف ایم کیو ایم بلکہ ہر پاکستانی کے لیے باعث شرمندگی ہوگا۔ یہ بات تو چل جائے گی کہ پاکستان میں سول انتظامیہ یا اسٹیبلشمنٹ یا کوئی خاص قوت ایم کیو ایم کے خلاف سازش کر رہی ہے لیکن یہ بات دنیا بھر میں کوئی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا کہ بی بی سی یا سکاٹ لینڈ یارڈ یا برطانوی حکومت اور برطانیہ کی عدالتیں سب ایم کیو ایم کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ ایم کیو ایم کو یہ بات سمجھنا چاہیے کہ اگر وہ ان الزامات سے بری ہو جاتی ہے اور اُن پر الزامات عائد کرنے والا نشریاتی ادارہ اعتراف کر لیتا ہے کہ اس نے کسی بھی مقصد کی خاطر جھوٹے الزامات لگائے تھے تو ایم کیو ایم کو ایک نئی سیاسی زندگی مل جائے گی اور اس وقت پاکستان میں ان پر جو الزامات کی بوچھاڑ ہو رہی ہے وہ ختم نہ ہوئی تب بھی اس میں بہت کمی واقع ہو جائے گی اور وہ پاکستان میں اپنے سیاسی مخالفین کو جواب دینے کے حوالے سے بہتر پوزیشن میں آ جائیں گے۔

ہم حکومت پاکستان سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ کسی قسم کے سیاسی مفاد کو آڑے نہ آنے دے اور اگر ایم کیو ایم برطانوی عدالت سے رجوع کرنے سے گریز کرتی ہے تو اسے خود برطانیہ میں عدالت سے رجوع کرنا چاہیے، اس لیے کہ اگر کسی گھر کے ایک فرد پر شرمناک الزام لگے تو وہ صرف اس فرد کی توہین اور ذلت کا باعث نہیں ہوتا بلکہ پورے گھرانے کی عزت کا مسئلہ ہوتا ہے۔ اگر الزامات درست اور سچے ثابت ہوں تو سارا گھرانہ داغدار اور ذلیل وخوار ہو جاتا ہے۔ حکومت پاکستان کے لیے ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ کسی طرح کم اہم نہیں ہے کہ جس بھارت کے ساتھ دوستی کرنے، اس سے تجارت کرنے اور اسے ایم ایف این (Most favourite nation) کا درجہ دینے کے لیے ہماری حکومت بے تاب تھی، وہ پاکستان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کس سطح تک اتر آتا ہے۔ پاکستان کو اپنا کیس تیار کر کے فوری طور پر عالمی اداروں سے رجوع کرنا چاہیے۔ اگرچہ ہمیں ان عالمی اداروں سے کوئی توقع نہیں جو ہر وقت اسلام اور مسلمان دشمنی پر کمر بستہ رہتے ہیں تب بھی اتمام حجت لازم ہے۔

ہم خاص طور پر پاکستان کے وزیر اعظم میاں نواز شریف کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ وہ تین مرتبہ پاکستان کے وزیر اعظم بن چکے ہیں، کیا اب بھی وہ ہندو ذہنیت کو نہیں سمجھے۔ ہمارے قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ اپنی موجودہ حکومت کی تشکیل سے پہلے میاں صاحب سیفما کے پلیٹ فارم سے آن ریکارڈ یہ کہہ چکے ہیں: ہندو اور مسلمان کا خدا ایک ہے، ان کا کلچر اور رسومات ایک ہیں، ان کا طرز بود و باش ایک ہے۔ گویا پاکستان بناتے وقت جو کچھ قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا تھا، اس کی حرف بہ حرف نفی کر دی۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر سربراہ حکومت بدترین دشمن کی ذہنیت سے ہی آگاہ نہیں، اگر وہ برصغیر کی تاریخ سے کلیتاً نابلد ہے تو اس قوم کا مستقبل کیا ہوگا! اس حوالہ سے پند و نصائح یا بہتر مستقبل کے لیے کوئی تجویز دینا اگرچہ بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہے لیکن ہمیں اپنی دینی اور قومی ذمہ داری ادا کرنا ہے۔ پھر یہ کہ افراد آتے جاتے رہیں گے، ہمیں اپنا فرض ادا کرنے سے غرض ہونا چاہیے۔ فی الحال ہم اپنے مقتدر حلقوں کے سامنے صرف ایک سوال رکھتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ایگزٹ نام سے ایک مقامی ادارہ سالوں سے کام کر رہا ہو، مالی لحاظ سے دن سوگنی اور رات ہزار گنی ترقی کر رہا ہو، اپنے کارکنوں کو اتنی بڑی بڑی تنخواہیں دے رہا ہو کہ کسی دوسرے ادارے کا ملازم اُس کا خواب بھی نہ دیکھے لیکن ہمارا کوئی حکومتی، نیم حکومتی تحقیقاتی ادارہ اُس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے البتہ جب نیویارک ٹائمز میں ادارے کی جعل سازی کی خبر چھپے تو طوفان اٹھ جائے۔ ایسا ہی معاملہ ایم کیو ایم کا ہے کہ نجی محفلوں سے لے کر ٹاک شوز تک بی بی سی سے ملتے جلتے الزامات کا شور مچاتے رہے لیکن حکومتیں اُن سے اتحاد کرتی رہیں اور اچانک بی بی سی کی رپورٹ پر ملزم ہی نہیں مجرم سمجھے جانے لگیں۔ ہمارے تحقیقاتی ادارے کہاں ہیں؟ ہمارا عدالتی نظام کہاں ہیں؟ ہماری انتظامی مشینری کیوں غفلت کی نیند سوئی رہتی ہے؟ پھر باہر والوں کی دستک پر ہڑبڑا کر اٹھ جاتی ہے اور الٹے سیدھے اقدام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ ہم اپنی طرف سے نہ ایگزٹ والوں کو مجرم قرار دیتے ہیں اور نہ ہی ایم کیو ایم کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں لیکن پاکستان کو اپنا اعتماد قائم کرنے کی ضرورت ہے اور یہ اعتماد قائم نہیں ہوگا جب تک سچائی، دیانت، امانت جیسی اقدار کو ہم نہیں اپناتے، اور آخری حتمی اور فیصلہ کن بات یہ کہ جب تک عدل و قسط کا نظام قائم نہیں کرتے۔

☆☆☆

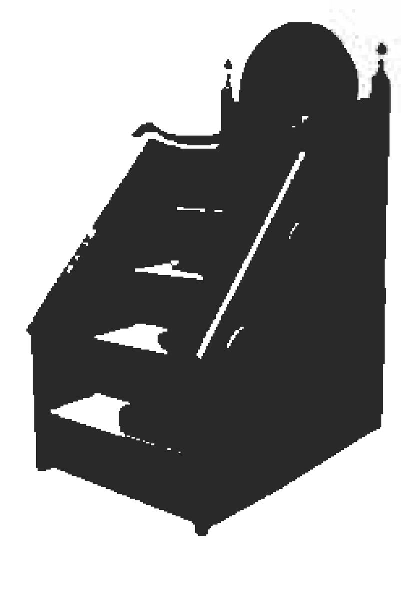

روزے کے احکام

سورۃ البقرۃ کے 23ویں رکوع کی روشنی میں

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں ناظم اعلیٰ، مرکزی انجمن خدام القرآن ڈاکٹر عارف رشید ﷾ کے 26 جون 2015ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

سورۃ البقرۃ کے 23 ویں رکوع میں رمضان کے روزوں کے تمام احکام کو مفصل انداز میں یکجا بیان کر دیا گیا ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ آج کی گفتگو میں اس رکوع کا لفظ بلفظ ترجمہ اور اس کا بنیادی مفہوم آپ حضرات تک پہنچ جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رمضان کے روزوں کا اصل حاصل تقویٰ ہے۔ جیسا کہ اس رکوع کی پہلی آیت میں بیان ہوا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾﴾

''اے ایمان والو! تم پر بھی روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسے کہ فرض کیا گیا تھا تم سے پہلوں پر تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔''

پچھلے جمعہ اس حوالے سے تفصیلی گفتگو ہو گئی ہے' لہٰذا اس ضمن میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

آگے فرمایا: ﴿اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ﴾ ''گنتی کے چند دن ہیں''۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرب لغت میں **معدودہ** کا لفظ تو 10 سے کم کے لیے آتا ہے' حالانکہ روزے تو 29 یا 30 ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے مسلمانوں پر ہر مہینے کے تین دن (13' 14 اور 15) کے روزے فرض تھے۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد ان تین روزوں کی حیثیت نفلی روزے کی ہوگئی۔ عرف عام میں انہیں ایام بیض کے روزے کہا جاتا ہے اور اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰت سے مراد یہی تین روزے ہیں۔

ان تین روزوں کے ضمن میں بھی وہ رعایت موجود تھی جو رمضان کے روزوں میں ہے۔ وہ یہ کہ:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ﴾

''پس جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ تعداد پوری کر لے دوسرے دنوں میں۔''

یعنی اگر کوئی شخص ایام بیض میں بیماری یا سفر کی حالت میں ہے تو اسے بعد میں تین دن کی تعداد پوری کرنی ہوگی۔ یہ اصول بعینہٖ وہی ہے جو رمضان کے روزوں کا ہے' لیکن ایام بیض کے روزوں کے حوالے سے ایک رعایت یہ بھی ہے کہ:

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ﴾

مرتب: حافظ محمد زاہد

''اور جو اس کی طاقت رکھتے ہوں (اور وہ روزہ نہ رکھیں) اُن پر فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا کھلانا۔''

یہ رعایت صرف ایام بیض کے روزوں کے لیے تھی۔ رمضان کے روزوں کے لیے یہ رعایت نہیں ہے۔ آگے فرمایا: ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ﴾ ''اور جو اپنی مرضی سے کوئی خیر کرنا چاہے تو اُس کے لیے بہتر ہے''۔ یعنی نیکی کا کوئی end نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص بہت سے مساکین کو کھانا کھلائے یا اگر وہ روزہ بھی رکھے اور مسکین کو کھانا بھی کھلائے تو یہ اس کے لیے بہت اجر و ثواب کا باعث ہے۔ ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾﴾ ''اور روزہ رکھو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو''۔ یعنی اگر کوئی شخص بیمار بھی نہیں ہے اور نہ ہی سفر میں ہے' لیکن صرف موڈ نہ ہونے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہا تو اس کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ روزہ رکھنا بہتر ہے' لہٰذا بغیر کسی عذر کے روزہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ یہ بات واضح رہے کہ یہ رعایت ایام بیض کے روزوں کے لیے تھی۔

اس کے بعد اب وہ آیہ مبارکہ آ رہی ہے جو اس موضوع پر جامع ترین آیت ہے۔ روزے جیسی افضل عبادت کے لیے اس ماہ مبارک کو اس لیے منتخب کیا گیا کہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ فرمایا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی روشن دلیلوں کے ساتھ۔''

اس کائنات میں چہار سو مظاہر قدرت کے بڑے بڑے شاہکار بکھرے پڑے ہیں' مثلاً سورج' چاند اور ستارے' ہواؤں کا چلنا' بارش کا برسنا' فصلوں کا لہلہانا' وغیرہ۔ انسان اگر ان میں ذرا غور کرے تو اس کے قلب کے اندر اللہ کی معرفت اور اللہ کی پہچان پیدا ہو جائے۔ قرآن حکیم کی بہت سی آیات میں مظاہر فطرت پر غور و فکر کرنے کی تلقین موجود ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ ...... لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿١٦٤﴾﴾

''یقیناً آسمان اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں' اور اُن کشتیوں (اور جہازوں)

میں جو سمندر میں (یا دریاؤں میں) لوگوں کے لیے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں...... یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔''

آیت کے اگلے حصے میں اس ماہ مبارک میں روزے کی فرضیت کا اعلان کیا جا رہا ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط﴾ ''تو جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے (یا جو شخص بھی اس مہینے میں مقیم ہو) اس پر لازم ہے کہ روزہ رکھے''۔ یعنی اس مہینہ میں روزہ رکھنا ہر عاقل و بالغ پر فرض ہے اور ایامِ بیض کے روزوں میں جو بغیر عذر کے فدیہ دینے کی رعایت تھی' رمضان کے روزوں میں وہ رعایت نہیں ہے۔ البتہ سفر اور مرض کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کی سہولت رمضان کے روزوں میں بھی ہے: ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ط﴾ ''اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ تعداد پوری کر لے دوسرے دنوں میں۔''

اس رعایت کی وجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئی ہے: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز﴾ ''اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا''۔ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور سفر میں روزہ نہ رکھنے کی سہولت دی ہے' لیکن اگر کوئی شخص سخت تکلیف اور سخت بیماری میں بھی روزہ رکھ رہا ہے تو وہ ناشکری کر رہا ہے۔ شکر گزاری تو یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سہولت کو استعمال کریں اور اس سہولت کو رد کر دینا ناشکری ہے۔ مثلاً آپ کو 104 کا بخار ہے' لیکن آپ بضد ہیں کہ مر جاؤں گا' روزہ نہیں چھوڑوں گا تو یہ ناشکری اور کفرانِ نعمت کے زمرے میں آئے گا۔

یہ تو بیماری کی بات ہوگئی، لیکن سفر کا معاملہ اس سے ذرا مختلف ہے۔ وہ اس طرح کہ جب یہ آیات نازل ہوئی تھیں اس وقت کا سفر بہت پُر صعوبت تھا۔ آج تو اتنی سہولیات ہیں کہ سفر کی صعوبت اور مشقت آپ کے قریب سے بھی ہو کر نہیں گزرتی۔ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رعایت آج بھی موجود ہے' لیکن اگر آپ کو معلوم ہے کہ سفر میں، میں قطعاً کسی قسم کی کوئی مشقت یا تکلیف میں مبتلا نہیں ہوں گا تو اس صورت میں روزہ رکھنا گویا اللہ تعالیٰ کی رعایت کو ٹھکرانے والی بات نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ کسی شخص نے رمضان کا ایک روزہ بھی جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو اس کے بعد چاہے وہ پوری زندگی روزہ رکھے' اجر و ثواب میں اس ایک روزے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر سفر میں مشقت کا اندیشہ نہ ہو تو روزہ رکھ لینا چاہیے' یہ ناشکری کے ضمن میں نہیں آئے گا۔

لیکن یہ ضرور ہے کہ مرض اور سفر یا کسی اور عذر کی وجہ سے جتنے روزے چھوٹ جائیں گے تو ان کی قضا بہر صورت لازم رہے گی۔ فرمایا: ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾﴾ ''تاکہ تم تعداد پوری کرو' اور تاکہ تم بڑائی کرو اللہ کی اس پر جو ہدایت اُس نے تمہیں بخشی ہے' اور تاکہ تم شکر کر سکو''۔ لغوی اعتبار سے تکبیر کہتے ہیں اللہ اکبر کہنے کو۔ رمضان کے روزوں کے بعد عید الفطر کے لیے ترانہ حمد بھی یہی تکبیر ہے: اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں جب عید کا دن ہوتا تھا تو مدینہ کی وادی تکبیر کے ترانوں سے گونج اُٹھتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس راستے سے تم عید گاہ کی طرف جا رہے ہو' واپسی پر اس کے بجائے دوسرا راستہ اختیار کرو۔ اس کی حکمت بھی یہی ہے کہ بستی کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جہاں اللہ کی تکبیر بیان نہ ہو رہی ہو۔

حقیقت میں تکبیر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر موڑ پر واقعتاً بڑا سمجھنا۔ علامہ اقبال نے اس موضوع پر بہت کلام کیا ہے۔ ان کا ایک شعر ہے:

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات

یعنی زبان سے اللہ اکبر کہنا بہت آسان ہے' لیکن اصل مطلوب یہ ہے کہ فی الواقع زندگی کے تمام امور میں اللہ کی کبریائی کو تسلیم کیا جائے۔ گویا آپ کے ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ میں بھی اللہ بڑا ہو' آپ کے گھر میں بھی اللہ بڑا ہو' خود آپ کے اپنے جسم پر بھی اللہ بڑا ہو۔ اصل کبریائی تو یہ ہے۔ باقی جو کلمات ہیں: سبحان اللہ، الحمد للہ' اللہ اکبر وغیرہ' ان میں بھی بڑی عظمت ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ سبحان اللہ نیکیوں کے پلڑے کو نصف تک بھر دیتا ہے اور الحمد للہ اس کائنات کی تمام وسعتوں کو پُر کر دیتا ہے۔ لیکن مجھ سے اور آپ سے مطلوب یہ ہے کہ ہم زندگی کے تمام معاملات میں واقعتاً اللہ ہی کو اکبر قرار دیں۔

آگے فرمایا: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ط﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (ان کو بتا دیجیے کہ) میں قریب ہوں''۔ آیت کے اس ٹکڑے میں فرمایا کہ جب میرے بندوں میں میرا قرب حاصل کرنے کی پیاس پیدا ہوتی ہے اور وہ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کیسے تعلق پیدا کریں تو آپ انہیں اطمینان دلا دیجیے کہ ایک تو میں ان کے بالکل قریب ہوں اور دوسرا یہ کہ میں ان کے دل کے بھیدوں کو بھی جانتا ہوں۔ ایک تو دعا کے الفاظ ہیں جو انسان اپنی زبان سے ادا کر رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اذکار میں زندگی کے ہر معاملے میں راہنمائی موجود ہے۔ بعض اوقات انسان کے ہاتھ تو اُٹھے ہوتے ہیں' لیکن زبان خاموش ہو جاتی ہے اور بس آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں یہ سوچ کر کہ اللہ کو سب معلوم ہے کہ میرے دل میں کیا ہے اور اللہ تو ہمارے بہت قریب ہے۔ یہ ایمانی کیفیت کا نام ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں اس معاملے میں ایک بدترین قسم کا مذہبی استحصال ہوتا رہا ہے۔ کسی بھی مذہب کو اٹھا کر دیکھ لیجیے' اس کی بنیاد اصل میں یہ تھی کہ انسان گناہوں کا پُتلا ہے اور اس کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے خالق اور مالک سے بلا واسطہ رابطہ کر سکے۔ آپ کو فلسفیانہ مذاہب میں یہ تصور بڑا نمایاں نظر آئے گا۔ اسی تصور کی آڑ میں بدترین مذہبی استحصال کیا گیا کہ اگر اللہ سے رابطہ کرنا چاہتے ہو تو درمیان میں کوئی واسطہ ضرور ہونا چاہیے۔ جب تک ان واسطوں سے ہو کر نہیں گزرو گے تو اپنے خالق سے تعلق پیدا نہیں کر سکتے۔ آیت کے اس ٹکڑے میں اس تصور کی نفی کر دی گئی:

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

یعنی اللہ سے رابطہ کرنا چاہتے ہو تو کسی واسطے کی ضرورت نہیں، بس ایک واسطہ ہے قرآن کا اور دوسرا واسطہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا جن کے ذریعے یہ دین ہم تک پہنچا ہے۔ لہٰذا جب چاہو اللہ سے تعلق پیدا کر لو اس لیے کہ یہ تو تمہارے دل کا معاملہ ہے تو درمیان میں یہ رکاوٹیں اور پردے کہاں سے آگئے۔ یہ تو ہمارے مذہبی پیشواؤں ۔۔۔ خواہ پیر ہو، پروہت ہو' پنڈت ہو، پادری ہو' پوپ ہو ۔۔۔ نے اپنے نظام کو چلانے کے لیے ایجاد کر لیے ہیں' جبکہ قرآن کہتا ہے: ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾﴾ (ق) ''اور ہم تو اُس سے اُس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں''۔ اسی طرح سورۃ الحدید

کی آیت 4 میں فرمایا: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ کہ تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے' جبکہ آیت زیر مطالعہ میں فرمایا کہ میں بالکل تمہارے قریب ہوں۔

اللہ فرماتا ہے کہ میں صرف قریب ہی نہیں ہوں' بلکہ میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب بھی دیتا ہوں: ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ ''میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی (اور جہاں بھی) وہ مجھے پکارے''۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی پکار ایسی نہیں ہے جو اللہ تک نہ پہنچے لیکن یہ ہے کہ ہم اصل میں ون وے ٹریفک کے عادی ہو چکے ہیں۔ بایں طور کہ اللہ کے احکامات تو پاؤں تلے روندے جا رہے ہیں، حلال وحرام کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی جا رہی اور پھر بڑی لمبی چوڑی دعائیں مانگی جا رہی ہیں۔ پھر قبول نہ ہونے کی صورت میں بددل ہو کر بیٹھ جاتے ہیں کہ اللہ تو ہماری سنتا ہی نہیں ہے۔ وہ کیوں سنے' جب تم اس کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی نہیں گزار رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زیر مطالعہ آیت میں آگے فرمایا کہ میں ہر پکارنے والے کی پکار نہ صرف سنتا ہوں' بلکہ اس کا جواب دیتا ہوں، لیکن اس کے لیے دو شرائط ہیں: ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿١٨٦﴾﴾ ''پس انہیں چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں' تاکہ وہ صحیح راہ پر رہیں''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ دوطرفہ ہونا چاہیے۔ پھر اللہ تعالیٰ لازماً دعائیں قبول فرمائے گا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 152 میں اسی دوطرفہ ٹریفک کے بارے میں یوں فرمایا گیا: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ ''پس تم مجھے یاد رکھو' میں تمہیں یاد رکھوں گا''۔ اس کی تشریح ایک حدیث قدسی میں بایں الفاظ آئی ہے: ''میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے تو میں اُس کے پاس ہوتا ہوں' اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں' اور اگر وہ مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہت بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔'' (متفق علیہ)

اس کے بعد ایک طویل آیت ہے جس میں بعض احکامات کا ذکر ہے' لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے میں اس رکوع کی آخری آیت 188 کی طرف آ رہا ہوں۔ عام طور پر اس آیت کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ اس کا روزے سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ہے' لیکن حقیقت میں اس کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ وہ اس طرح کہ روزے کا اصل حاصل ہے تقویٰ اور تقویٰ کی بنیاد ہے اکل حلال اور حلال ذرائع پر اکتفا کرنا۔ اس آیت میں اسی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾﴾

''اور تم اپنے مال آپس میں باطل طریقوں سے ہڑپ نہ کرو اور اس کو ذریعہ نہ بناؤ حکام تک پہنچنے کا تاکہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ہڑپ کر سکو گناہ کے ساتھ اور تم اس کو جانتے بوجھتے کر رہے ہو۔''

روزی کمانا ہر شخص کی ذمہ داری ہے' لیکن جو چیز حرام ہے اس کے قریب بھی نہ جاؤ اور پھر اس مال کو حکام تک پہنچنے کا ذریعہ بھی نہ بناؤ۔ مثلاً رشوت تو نہیں دی جا رہی' لیکن کسی اعلیٰ سرکاری عہدے دار سے کام نکلوانے کے لیے آموں کی ٹوکریاں بھیجی جا رہی ہیں یا ہیروں کا ہار بھیجا جا رہا ہے' تو یہ سب حرام ہے۔

یاد رکھیے کہ اگر اکل حلال نہیں ہے تو پھر انسان کی تمام عبادتیں زیرو ہو جاتی ہیں۔ اس کا نقشہ نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں کھینچا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک شخص لمبے سفر کرتا ہے' اس کے بال پراگندہ اور جسم گردآلود ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف دراز کر کے کہتا ہے: اے رب! اے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام اور اس کا پینا حرام اور اس کا لباس حرام اور اس کی غذا حرام تو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔

حضرات! رمضان کے روزوں سے متعلق چھ آیات کا ایک خلاصہ میں نے آپ کے سامنے اس خیال سے رکھا ہے کہ رمضان المبارک کے دوران خاص طور پر ان آیات کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

پریس ریلیز 3 جولائی 2015ء

حکومت پاکستان عالمی اداروں میں بھارت کے اصل چہرے کو بے نقاب کرے

ایم کیو ایم، بی بی سی کے خلاف برطانوی عدالت سے رجوع کرے

حافظ عاکف سعید

حکومت پاکستان عالمی اداروں میں بھارت کے اصل چہرے کو بے نقاب کرے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے ایک اخباری بیان میں کہی۔ اُنہوں نے کہا کہ بی بی سی نے جو الزامات ایم کیو ایم پر لگائے ہیں اُن میں کتنی حقیقت ہے یہ بات تو وقت آنے پر واضح ہو جائے گی لیکن بھارت کی پاکستان دشمنی پر ہمارے ہاں پہلے بھی دو رائے نہیں تھیں۔ بھارت کے وزیر اعظم نریندر مودی خود اِس جرم کا اعتراف کر چکے ہیں کہ بھارتی فوج مکتی باہنی کے روپ میں مشرقی پاکستان میں تخریبی کارروائیاں کرتی رہی ہے۔ پاکستان تمام عالمی اداروں خصوصاً سلامتی کونسل میں یہ مسئلہ ضرور اُٹھائے کہ دوسرے ملک میں عسکری کارروائیاں کرنے کے جرم میں بھارت کو دہشت گرد ریاست قرار دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ عالمی اداروں کی اسلام دشمنی کی وجہ سے ہمیں یہ توقع نہیں کہ بھارت کو اس کے جرم کی اصل سزا بھگتنا پڑے گی۔ لیکن پاکستان کو اتمام حجت کرنا چاہیے۔ اِس سے کم از کم یہ تو ضرور ہوگا کہ دنیا کے سامنے بھارت کا اصل چہرہ بے نقاب ہو جائے گا۔ انہوں نے زور دے کر یہ بات کہی کہ ایم کیو ایم، بی بی سی کے خلاف برطانوی عدالت سے رجوع کرے تاکہ اِن سنگین الزامات کے حوالہ سے ایم کیو ایم کی پوزیشن واضح ہو اور وہ آزادی سے اپنی سیاسی جدوجہد جاری رکھے۔ بصورت دیگر ان کا پاکستان میں سیاست کرنا مشکل ہو جائے گا۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

......ستارہ تو ہے

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

رمضان کی رحمت کا عشرہ تیزی سے آیا اور گزر گیا۔ ملکی حالات اور عالمی حالات دیکھ کر بسا اوقات سسک کر یہ اقبالؒ شکوہ زبان سے پھسل جاتا ہے۔

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر!

تاہم قرآن، تاریخ کا مطالعہ کچھ اور کہتا ہے۔ اور پھر اس شکوے کا جواب بھی خود اسی پیرایے میں اقبال نے دے بھی دیا۔

شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود!
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اور پھر رمضان کی رحمتیں برسیں تو کیونکر کہ......ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے، طبع آزاد پر قید رمضاں بھاری ہے۔ اِدھر رمضان چل رہا ہے اُدھر ڈٹ کر وہی پرانی کھینچا تانی، سیاست بازی، غریب عوام گرمی اور بجلی کے ستائے ہوئے گر گر کر مر رہے ہیں۔ کوئی پرسان حال نہیں۔ تاہم خوش آئند یہ ہے کہ حکومت کو کم از کم بعد از موت کی فکر ہے۔ جیتے جی بھوک ننگ افلاس کا تو کوئی علاج ممکن نہیں۔ ماڈل قبرستان کا پلان بنا ہے جس میں سلیقے سے بنی نمبروار قبریں ہوں گی۔ میٹرو سے نکل کر آپ قبرستان میں داخل ہوں گے تو دل خوش ہو جائے گا، مرنے کا جی چاہے گا۔ شاندار جنازہ گاہ (شاید ائیر کنڈیشنڈ)، خوبصورت روشوں کے بیچ قبریں! مغرب میں موت بھی ایک صنعت ہے۔ آپ تسلی سے مر جایئے باقی کام ہمارا ہے۔ سوان کی میٹرو، شاہراہوں، پلوں، انڈر پاس، اوور ہیڈ برجوں کے بعد اب ماڈل قبرستانوں کی باری ہے۔ ماڈل ایان علی کے صدقے، اس جیسی قربانی کی بکریوں کے ذریعے جو پیسہ ریل پیل کرتا سنبھالا نہیں جاتا وہ سرحدیں پار کر کے دوسرے ممالک میں سامانِ عیش فراہم کرتا ہے۔ دبئی ہمارے امراء کا، ہماری اشرافیہ (یعنی بدمعاشیہ) کا دوسرا گھر ہے۔ یہاں عوام کے احتجاج اور اموات بدمزہ کر دیں تو وہاں چند دن گزار کر تازہ دم ہو کر برائے حکمرانی لوٹ آتے ہیں۔ بیچ میں کہیں کہیں حالیہ ایم کیو ایم کی شامت نو جیسے واقعات آتے جاتے رہتے ہیں۔ مگر فکر کی بات نہیں۔ پہلے بھی ایسے کئی مواقع آئے اور چلے گئے۔ دھونس دھمکی بلیک میلنگ کے بعد پھر گاڑی چل پڑتی ہے۔ این آر او بھول گئے؟ عدل و انصاف کی کہانیاں سنانے والے کہاں ہیں؟ کبھی قانون اور انصاف کی دنیا میں ایسا مفاہمتی آرڈیننس جاری ہوا کہ ہزاروں قتل اور جرائم کے مقدمات قالین کے نیچے ٹھیل کر مجرم نہلا دھلا کر قوم کی قیادت بنا کر پیش کر دیئے جائیں۔ مجرم سے محرم بننے میں ایک نقطہ ہی تو ہٹانا پڑتا ہے سو ہٹا دیا۔ 8 ہزار مجرم کرپشن، اغوا اور قتل کے مجرم، محرم بن گئے۔

بے شک پوری قوم پر کربلا والا محرم آن کھڑا ہو۔ قوم ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری کی نذر ہو جائے۔ روشنیوں کا شہر تاریکیوں، وحشتوں کا مسکن بن جائے۔ یہ بھارت کی مالی مدد اور عسکری تربیت کی کہانی بی بی سی کو پڑھا کر، اس کی مستند زبان سے کیوں کہلوا رہے ہیں؟ سیکٹر کمانڈر مشرف ہی کے ذریعے اتنے سال سب کچھ روا رہا۔ قانون اور عدل کے عین مطابق تھا۔ 12 مئی کو سرکاری سند حاصل تھی۔ عوام تو جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات کاٹ رہے ہیں۔ ان حالات کے، جس میں ہم گرفتار ہیں، تمام سیاسی دینی جماعتیں، بھیڑ بکری مزاج عوام برابر کے شریک ہیں۔ یہ عین قوم فرعون والی حالت ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ اس (فرعون) نے اپنی قوم کا ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ، (الزخرف:54) اس کی تشریح میں صاحب تفہیم القران نے جو لکھا وہ ہمارا ایکسرے ہے! جب کوئی شخص کسی ملک میں مطلق العنانی چلانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے کھلم کھلا ہر طرح کی چالیں چلتا ہے۔ مکر و دغا اور ہر فریب سے کام لیتا ہے۔ کھلے بازاروں میں ضمیروں کی فروخت کا کاروبار چلاتا ہے اور جو بکتے نہیں انہیں بے دریغ کچلتا اور روندتا ہے تو خواہ زبان سے وہ یہ بات نہ کہے مگر اپنے عمل سے صاف ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اس ملک کے باشندوں کو عقل و اخلاق اور مردانگی کے لحاظ سے ہلکا سمجھتا ہے۔ اس نے یہ رائے قائم کی ہے کہ میں ان بے وقوف، بے ضمیر اور بزدل لوگوں کو جدھر چاہوں ہانک کر لے جا سکتا ہوں۔ پھر جب اس کی تدبیریں کامیاب ہو جاتی ہیں باشندے اس کے دست بستہ غلام بن جاتے ہیں تو وہ اپنے عمل سے ثابت کر دیتے ہیں کہ اس خبیث نے جو کچھ انہیں سمجھا تھا وہ واقعی وہی کچھ ہیں۔ اور ان کی اس ذلیل حالت کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ بنیادی طور پر فاسق (اللہ کے نافرمان) ہوتے ہیں۔ سو یہ ہم اپنے ہاتھوں کا بویا کاٹ رہے ہیں۔ چن چن کر ہر وہ فرد جو اس قوم کو ایک مضبوط اسلامی تشخص دینے کا اہل ہو سکتا تھا مار ڈالا گیا۔ لاپتہ کر دیا۔ جوانانِ رعنا کتنے ہی پولیس مقابلوں، ڈرون حملوں کی نذر کر دیئے گئے۔ ایک (روس جیسا) آہنی پردہ ہے (Iron Curtain) جس کے پیچھے حراستی مراکز اور عقوبت خانوں میں انصاف سسک رہا ہے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے عین مطابق ہم یہود کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اسلام کے نام لیواؤں اور شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ ہم نے عین وہی کیا جو بنی اسرائیل کے سردارانِ قوم اور علمائے سوء نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ انہیں گناہوں اور ریاکاریوں پر ٹوکتے تھے۔ ایمان اور راستی کی تلقین کرتے تھے۔ زہدِ عیسیٰؑ اور ان کا حب دنیا اور شہوات میں ڈوبی قوم پر تنقید کرنا ان سے برداشت نہ ہوا۔ جھوٹا مقدمہ بنا کر ان کے خلاف عدالت سے قتل کا فیصلہ حاصل کیا گیا۔ حاکم نے یہود سے پوچھا عید کا دن ہے تمہاری خاطر یسوع اور برابا ڈاکو دونوں میں سے کسے چھوڑوں تو یک زبان پورے مجمع نے برابا ڈاکو کو چھوڑنے اور یسوع کو پھانسی دینے کا نعرہ لگایا! این آر او ہوا۔ ڈاکو کو چھوڑ دیا گیا اور اپنی دانست میں انہوں نے نبی کو پھانسی دی (گرچہ اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھا چکا تھا)۔ ہمارا قومی کردار بحیثیت مجموعی گراوٹ کی انتہاؤں کو پہنچا ہوا ہے۔ ہر جا چور مچائے شور کا سماں ہے۔ تحریکِ انصاف نے قومی اسمبلی میں لوڈ شیڈنگ کے خلاف نعرے لگائے:

کوئی شرم ہوتی ہے کوئی حیا ہوتی ہے۔البتہ کہاں ہوتی ہے کیسی ہوتی ہے نہ بتایا۔کیا اس طرح جیسے تحریکِ انصاف سارے اصول ضابطے بالائے طاق رکھ کر قومی اسمبلی سے طویل غیر حاضری اور دھرنوں میں حیا کے مناظر دکھانے کے بعد شرماتے لجاتے واپس آ گئے تھے؟ پھر اسی حیا کے مارے اپنے سارے واجبات بھی ڈٹ کر وصول کر لیے تھے؟ شرم وحیا کی کوئی جیتی جاگتی مثال بھی تو ہو! زرداری صاحب بھی لجاتے گھبراتے اب دبئی گئے ہیں۔شنید ہے کہ آپریشن نے جو پارٹی کی دُم پر پاؤں رکھ دیا ہے تو فریاد مائی باپ امریکہ سرکار کے پاس کریں گے۔برداشت کر یا پاس کر۔دیکھئے وہ اپنے وائسرائے بارے کیا فیصلہ دیتا ہے! 27 رمضان کا پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ والا پاکستان تو کھو یا گیا۔امریکہ کے ہاتھ مشرف کی 'ہاں' کے ہاتھوں بک گیا۔اب یہ وہ پاکستان ہے جہاں ترک خاتونِ اوّل کا غرباء و مساکین کو دیا گیا بیش قیمت ہار ملک کے غریب اول۔۔۔سابق وزیر اعظم گیلانی کی مسکین بیوی نے لے لیا! اب بمشکل تمام واپسی کی سبیل ہوئی۔ کہاں وہ برصغیر کے مسلمان جو آزادی کے خواب آنکھوں میں سجائے ہوئے تھے۔خلافت عثمانیہ کو بچانے کے لیے تحریکِ خلافت میں مسلمان عورتوں نے گلے کے ہار اور ہاتھوں کی سونے کی چوڑیاں اتار اتار کر وقفِ تحریک کی تھیں، کہاں آج اس محبت کا بدلہ ترک خاتونِ اوّل نے دینا چاہا تو ہمارے سر شرم سے جھک گئے کہ ہم ایمان دو ٹکے کے ہار کے بدلے بیچنے میں عار نہیں سمجھتے! تاہم پاکستان کی رگوں میں 27 رمضان المبارک کو جو خون شہداء نے دوڑایا تھا، اس کی لالی کبھی تو رنگ لائے گی۔نوجوانانِ ملت اپنے فرائض جان کر آج بھی کمر بستہ ہوں تو اقبال کی نصیحت ہے۔

کشتیِ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصرِ نو رات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے!

☆☆☆

دعائے صحت

☆تنظیم اسلامی کے مرکزی ناظم تربیت انجینئر نوید احمد علیل ہیں

اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

شبِ قدر

لیلۃ القدر

صائمہ عثمان

ماہ مقدس کی راتوں میں سے ایک رات ''لیلۃ القدر'' کہلاتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی امت پر رب ذوالجلال کی طرف سے ہونے والی خصوصی عنایات میں سے ایک عظیم عنایت و رحمت ہے۔قرآن مجید میں اس رات کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا گیا۔ہزار مہینوں کے تراسی برس چار ماہ بنتے ہیں۔جس خوش نصیب نے اس رات کو عبادت میں گزار دیا۔اس نے گویا تراسی برس چار ماہ سے زیادہ زمانہ عبادت میں گزارا۔پہلی امتوں کی عمریں سینکڑوں سال ہوتی تھیں۔اگر کوئی اعمال صالحہ میں ان کی برابری کرنا بھی چاہے تو یہ اس کے لیے ممکن نہ تھا۔مگر رب کائنات نے خیر الامم کو یہ مقدس شب ''شب قدر'' مرحمت فرما کر امم سابقہ کے ساتھ عبادت میں برابری بلکہ آگے بڑھ جانے کا سامان پیدا فرما دیا۔اگر کسی خوش بخت کو زندگی بھر میں صرف دس راتیں ہی عبادت میں گزرنے کی توفیق نصیب ہو جائے تو گویا آٹھ سو تینتیس (833) برس سے بھی زیادہ زمانہ کامل عبادت میں گزارنے کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔کیا کوئی ٹھکانہ ہے اس رحمت کا؟ پھر بھی اگر ہم اس رات کی اس عظیم فضیلت سے مستفید ہونے کی کوشش نہ کریں اور مہینہ بھر غفلت میں گزار دیں تو کسی کا کیا نقصان ہے؟ اپنی ہی بدنصیبی و محرومی ہے۔سال بھر دنیوی منافع کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔اس شب میں تعلق مع اللہ قائم ہونے سے انسان سارا سال بندگی کے تقاضے کسی نہ کسی سطح پر بھی پورا کرتا رہے تو یہ بہت بڑی خوش قسمتی ہو گی۔ایک حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ مومن کا ہر اگلا دن اُس کے پچھلے دن سے بہتر ہوتا ہے۔

لیلۃ القدر میں گناہوں کی معافی

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لیے) کھڑا ہو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''

''نزاع واختلاف'' تعین لیلۃ القدر کے اٹھ جانے کا سبب

حضرت عبادۃ بن الصامت ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے تا کہ ہمیں لیلۃ القدر کے بارے میں خبر دیں مگر دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس لیے آیا تھا تا کہ تمہیں شب قدر کی خبر دوں، مگر فلاں فلاں شخص میں جھگڑا ہو رہا تھا جس کی وجہ سے اس کی تعین اٹھالی گئی۔کیا بعید ہے کہ یہ اٹھا لینا اللہ تعالیٰ کے علم میں بہتر ہو، اب اس رات کو رمضان کی آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

لیلۃ القدر اور آخری عشرہ

اگر چہ لیلۃ القدر کے حتمی تعین کا علم اٹھا لیا گیا، مگر رسول اللہ ﷺ نے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر تلاش کرنے اور عبادت میں گزارنے کا حکم دیا ہے۔ (بخاری، حدیث نمبر 225) جمہور علماء کے نزدیک رمضان خواہ 29 کا ہو یا 30 کا آخری عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے، اس حساب سے حدیث بالا کے مطابق شب قدر کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے 29,27,25,23,21 کی رات کو عبادت کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

☆☆☆

دعائے مغفرت

إنا لله وإنا إليه راجعون

☆مقامی تنظیم ہارون آباد غربی کے ملتزم رفیق حکیم منظور احمد وفات پا گئے

☆مقامی تنظیم چشتیاں کے رفیق حاجی محمد اشرف کی اہلیہ وفات پا گئیں

☆مقامی تنظیم چشتیاں کے رفیق محسن اشرف کی والدہ محترمہ وفات پا گئیں

☆تنظیم اسلامی ملتان شہر کے ملتزم رفیق حاجی رب نواز انصاری کے چھوٹے بھائی وفات پا گئے۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔قارئین سے بھی مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

جمہوریت اور عالم اسلام

رفیق چودھری
almissaq@gmail.com

اے خاصۂ خاصان رُسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

اسلام دین فطرت ہے جس کا ہر اصول، قاعدہ اور قانون فطرت کے معین تقاضوں کے عین مطابق اور انسانیت کے لیے سراسر خیر وبھلائی، فلاح کا باعث اور امن وسلامتی اور ترقی وخوشحالی کا ضامن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دنیا میں ایک ایسا فطری نظام متعارف کروایا جو کہ اپنی اصل شکل اور منہج کے ساتھ جب تک کلی طور پر نافذ العمل رہا تو دنیا نہ صرف امن وسلامتی کا گہوارا ثابت ہوئی بلکہ انسان اخلاق وتہذیب کی ان اعلیٰ سطحی بلندیوں پر پہنچ گیا کہ حقیقت میں اشرف المخلوقات کا نمونہ بن کر ثابت ہوا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ معاشرتی، سماجی، اقتصادی اور معاشی سطح پر بھی انسانیت کو وہ معراج حاصل ہوئی کہ دنیا میں اس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ اسلام سے بہتر اور معیاری نظام نہ تو پہلے کبھی روئے زمین پر نافذ العمل رہا اور نہ آئندہ کبھی قیامت تک اس سے بہتر، معیاری، انسان پرور، انسان نواز اور انسان دوست نظام انسانیت کو نصیب ہو سکتا ہے۔ اگر پوری دنیا کے عالم، مفکر، دانشور، فلاسفر، محقق اور موجد مل کر بھی پوری زندگی لگے رہیں تو اسلام سے بڑھ کر انسانیت کا خیر خواہ، عدل وانصاف، فلاح و بہبود، ترقی وخوشحالی اور امن وسلامتی پر مبنی نظام نہیں لا سکتے۔

لیکن اس قدر مثالی، معیاری اور فطری نظام کے حامل ہونے کے باوصف آج شام، مصر، برما، فلسطین، عراق، افغانستان، کشمیر، بھارت سمیت دنیا بھر میں مسلمانوں کی موجودہ حالت دیکھنے کے بعد اک عام مسلم ذہن بھی یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ یہ سب آخر کیا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟ خون مسلم ہی اتنا ارزاں کیوں ہے کہ ساری دنیا میں پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے؟

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

نا اتفاقی ایک وجہ ضرور ہے مگر اصل سبب نہیں ہے۔ خلیفہ سوئم کے بعد بھی اُمت میں اختلاف آیا مگر اسلام پھر بھی ایک طاقت رہا۔ اس کے بعد بھی دنیا میں اس کی حکمرانی رہی۔ اسلام کا نظام عدل دنیا میں قابل تقلید رہا۔ مغرب نے اس نظام کی تقلید میں موجودہ ترقی حاصل کی۔ لہٰذا مسلم اُمہ کے زوال کا سبب کچھ اور ہے اور وہ کیا ہے؟

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قباء میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

مسلم اُمہ کے اجتماعی زوال کا اصل سبب یہی ہے کہ اسلام کو بطور مذہب اپنا لیا (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج تک محدود کر لیا) لیکن بطور دین اسے چھوڑ دیا۔ اللہ کے بنائے ہوئے نظام سے منہ موڑ لیا اور انسانوں کے بنائے ہوئے خود ساختہ ادیان اور نظام ہائے زندگی کو فلاح کا ذریعہ سمجھ لیا۔ سابقہ اُمتوں کے زوال کا بھی بڑا سبب یہی تھا کہ انہوں نے اللہ کے بنائے ہوئے دین کو چھوڑ کر خود ساختہ ادیان پر چلنا شروع کر دیا تھا۔ اُمت مسلمہ کا بھی یہی حال ہے۔ خود ساختہ ادیان (نظام ہائے زندگی)، نیو ورلڈ آرڈر۔ آپ کو قومی ریاست کا تصور دے دیا گیا، کانسٹی ٹیوشن دے دیا گیا۔ جمہوریت کا تصور آپ کے ذہنوں میں پختہ تر کر دیا گیا۔ اب ریاست مذہب پر مقدم ہو گئی، قرآن وحدیث کی جگہ ریاستی آئین آپ کا دستور بن گیا اور مروجہ جمہوری نظام آپ کا دین بن گیا۔ اب اسی پر آپ کا ایمان ہے۔ اب ریاست ہی آپ کا قبلہ وکعبہ ہے۔ ریاست کے لیے جینا، ریاست کے لیے مرنا، ریاست کے باہر اُمت پر جو بیت رہی ہے اس سے آپ کو کوئی غرض نہیں۔ اُمت کا آپ سے تقاضا، دین کا آپ سے مطالبہ اب کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ آپ پر تو بس ریاستی آئین کی پیروی فرض ہے۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ مشرف نے ”سب سے پہلے پاکستان“ کا نعرہ لگایا اور اپنے ہی مسلمان ملک کے خلاف اُمت کے دشمنوں کا اتحادی بن گیا۔ نتیجہ اندرونی انتشار، عدم استحکام اور معاشی بدحالی کی صورت میں نکلا۔ افغانستان جو پہلے پاکستان کا اتحادی اور دایاں بازو تھا، اب دشمنوں کے ساتھ مل کر دشمن بن گیا۔ اس کے ساتھ ملحقہ سرحد جہاں فوج تعینات کرنے کی ضرورت نہ تھی، اب ملکی سلامتی کے لیے سب سے بڑا خطرہ بن گئی۔ علیحدگی کی تحریکیں ایک نیا مسئلہ بن گئیں۔ مسلمان، مسلمان کے خون کا پیاسا بن گیا۔ قتل وغارت گری، دہشت گردی، فسادات، نسلی، لسانی، علاقائی تعصبات نے وہ سر اُٹھایا کہ تب سے اب تک ملک سنبھلنے میں نہیں آتا، مسلسل روبہ زوال ہے۔

اب آتے ہیں نظام کی طرف۔ اسلام میں روایتی طرز انتخاب 'شوریٰ' کا نظام تھا۔ معاشرے کے سب سے برگزیدہ، متقی، پرہیز گار اور مثالی کردار کے حامل افراد مل کر فیصلہ کرتے تھے تو اس میں خیر ہی خیر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں جا بجا فرمایا: ”تم میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں“، ”تم میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جو علم رکھتے ہیں“، بہت تھوڑے لوگ ہوں گے جو جنت میں جائیں گے۔“ جبکہ اکثریت کے بارے میں بھی جا بجا فرمایا کہ انسانوں کی اکثریت ناشکری ہے، اکثریت جاہل ہے، اکثریت فتنہ میں پڑی ہوئی ہے اور اکثریت ہی دوزخ کا ایندھن ہے۔

ہم نے اسلام کے شورائی نظام کو چھوڑ کر جمہوریت کو بطور نظام اپنایا اور اکثریت کی بنیاد پر فیصلے ہونے لگے۔ لہٰذا صاحب علم، باکردار، اللہ سے ڈرنے والا، ہدایت یافتہ طبقہ اقلیت میں بدل کر غیر مؤثر ہو کر رہ گیا اور اقتدار، اختیارات، عنان حکومت جاہل، بے دین، کرپٹ اور معاشرے کے بدترین لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جو اپنی چالبازیوں، مکاریوں اور دولت کے بل بوتے پر اکثریت کے مالک بن بیٹھے۔ نتیجہ ملکی وقومی وسائل کی لوٹ مار، بدترین کرپشن، ملکی عدم استحکام اور معاشی بدحالی کی صورت میں نکل رہا

ہے۔حکمران ٹولہ قبضہ مافیا میں بدل گیا۔معاشرہ مختلف طبقات میں بٹ کر عدم مساوات، تفریق و تقسیم کا شکار ہو گیا۔ غریب کے لیے قانون اور، امیر کے لیے قانون اور۔ایک طبقہ تمام تر ملکی و قومی وسائل و اثاثہ جات کا مالک بن گیا جبکہ دوسرا غلاموں کی سی بدترین زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

جمہوریت نے اپنا اصل رنگ دکھایا اور بدترین ملوکیت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ آج دنیا بھر میں عام انسان پس رہا ہے۔غریب غریب سے غریب تر ہو رہا ہے اور امیر امیر سے امیر تر ہو رہا ہے۔ امریکہ جیسی بڑی جمہوریت میں وال اسٹریٹ مظاہرے اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ انسان کا بنایا ہوا کوئی آئین، کوئی قانون اور کوئی نظام انسانیت کی فلاح، سلامتی اور حقوق کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ جب یہ جمہوری نظام خود اس کے موجدوں کے حقوق کا دفاع نہیں کر سکتا تو پھر اے مسلمانو! یہ جمہوریت تمہارے حقوق کی پاسبان کیسے بن سکتی ہے اور تم جمہوریت کے مردے گھوڑے پر سوار ہو کر اسلام جیسے آفاقی اور حقیقی نظام کو کیونکر نافذ کر سکتے ہو۔ جمہوریت تو خود ایک ایسا گھر زدہ، بیمار اور متروک سیاسی نظام ہے جسے دنیا کی متوسط اور غریب آبادی کی اکثریت رد کر چکی ہے۔

جمہوریت ایک ایسا فریب ہے، ایک ایسا سراب اور ایک ایسا جال ہے جس میں پھنس کر انسانیت نے ہمیشہ دھوکا کھایا ہے۔ جمہوریت صرف طاقتور، اجارہ دار اور سرمایہ دار کو فائدہ دے سکتی ہے۔ ظالم کے ہاتھ مضبوط کر سکتی ہے۔ سازشی عناصر اور طاغوتی قوتوں کو ان کی سرکشی میں مزید اُبھار سکتی ہے۔ عام انسان کو اس نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ کمزور اور مظلوم طبقات کو ہمیشہ طاقتور اور غاصب قوتوں کا تر نوالہ بنایا ہے۔ یہ جمہوریت ہی ہے جس نے عام انسانوں کو سرمایہ داروں، غاصبوں اور لٹیروں کے مفادات کے لیے چارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جمہوریت کے نام پر ہمیشہ طاقتور، اجارہ دار اور غاصب قوتوں نے مظلوم انسانیت کا لہو نچوڑا ہے۔ عام انسان کے حقوق غصب کیے ہیں۔ غریب سے اس کے منہ کا نوالہ چھینا ہے اور جس نے ہمیشہ سرمایہ دارانہ اور اجارہ دارانہ طاغوتی نظام کو فروغ دیا ہے۔

انسان کا بنایا ہوا کوئی دین، کوئی نظام اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آج کے جدید دور میں خود ساختہ مصنوعی نظام ایک ایک کر کے ناکام ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ان مصنوعی تہذیبوں کے گندے انڈوں نے جو بچے جنم دیے وہ آج وال سٹریٹ اور لندن اور پیرس کی سڑکوں پر اپنی تہذیبوں اور خود ساختہ نظاموں کا ماتم کر رہے ہیں، جبکہ اسلام وہ دین ہے جو صحیح معنوں میں نافذ العمل رہا ہے تو صنعا سے حضرموت تک اکیلی عورت سفر کرتی اور کوئی آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھتا اور ترقی و خوشحالی کا یہ عالم تھا کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔

لہٰذا اگر اُمت مسلمہ اسلام کا نفاذ چاہتی ہے تو اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی لایا جا سکتا ہے۔ اگر اللہ کے بنائے ہوئے نظام کو انسانوں کے تخلیق کردہ مصنوعی طور طریقوں سے لانے کی کوشش کی گئی تو کبھی کامیاب نہ ہوگی کیونکہ طاغوت کے سہارے کبھی کوئی خیر کا کام نہیں کیا جا سکتا۔ جمہوریت خود ایک طاغوتی نظام ہے جس کے ذریعے طاغوتی اور کفریہ طاقتوں نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بنے ہیں۔ لہٰذا طاغوت کے بل بوتے پر یا طاغوتی نظریات اور ذرائع سے اسلام جیسے آفاقی اور فطری نظام کا نفاذ کبھی بھی عمل میں نہ لایا جا سکے گا۔

اس کی واضح مثال مصر کی موجودہ صورتحال ہے اور کم و بیش ایسی ہی صورتحال ترکی میں طیب اردگان کی حکومت کو بھی درپیش ہے۔ اسلام میں اکثریت کی بنیاد پر فیصلے کرنا جائز ہوتے تو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں ہی نظام زکوٰۃ جیسا اہم ترین رکن دین اسلام سے نکل چکا ہوتا جس پر معاشی توازن اور معاشرتی مساوات کا سارا دارومدار تھا۔ یہ اسلام کا نظام شوریٰ ہی تھا جس نے انسانی مداخلت کو اسلام میں سابقہ مذاہب کی طرح تبدیلی اور تحریف سے باز رکھا۔ اس کے برعکس جب بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کے دور میں اسلام کے نظام شوریٰ سے ہٹ کر خلیفہ کے انتخاب میں ایک غیر روایتی طرز انتخاب اختیار کیا تو فساد اُمت کا آغاز بھی وہیں سے ہو گیا اور غیر قوتوں کو موقع بھی مل گیا۔ نتیجہ میں آج تک اُمت مسلمہ شیعہ سنی فسادات کی زد میں ہے۔

جب کسی نظریہ اور فکر و فلسفہ کے بغیر صرف طاقت یا اکثریت کے بل بوتے پر تبدیلی لانے کی کوشش ہوگی تو اس کے مقابلے میں اس سے بھی بڑی طاقت اور اکثریت اُبھر کر سامنے آجائے گی جو پہلی طاقت کو کچل ڈالے گی۔ لیکن اس کے برعکس جب نظریہ، اصول، فکر اور فلسفہ کی بنیاد پر کوئی انقلاب آئے گا تو اس کا مقابلہ طاقت سے نہیں کیا جا سکے گا۔

لہٰذا اگر مسلمانوں کو ان درپیش چیلنجز کا مقابلہ کرنا ہے اور فی الواقعی اسلام کو دنیا میں بطور نظام از سر نو متعارف کرانا ہے تو اس کے لیے ہمیں وہی طریقہ اپنانا ہوگا جو اسلامی نظام کے نفاذ کا فطری اور حقیقی راستہ ہے۔ جس طریقے پر پہلے دنیا میں اسلام نافذ العمل رہا ہے، دوبارہ بھی اسی طریقے سے اس کا نفاذ ممکن ہو سکتا ہے۔

موجودہ عالمی صورتحال اگرچہ قطعی طور پر مسلم اُمہ کے حق میں نہیں ہے اور کم و بیش تمام ممالک میں جمہوریت کو ہی خلافت کا نعم البدل تصور کیا جا رہا ہے لیکن دوسری جانب یہ پیش رفت بھی انتہائی خوش آئند ہے کہ جمہوریت جو کہ ایک خود ساختہ مصنوعی نظام ہے، ہر جگہ اور ہر ملک میں اپنی کجیاں، کمزوریاں اور خامیاں کھل کر دکھا رہا ہے، اور اس کے مضر سیاسی، معاشی اور معاشرتی اثرات سے انسانی ذہن نابلد نہیں رہا ہے۔ ایک وقت آنے والا ہے جب وال اسٹریٹ کی طرح دنیا بھر میں انسانیت اس کھوکھلے اور طاغوتی نظام کے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی۔

لہٰذا مسلم اُمہ کو چاہیے کہ وہ ابھی سے اپنا قبلہ درست کر لے، اپنے اصل، حقیقی راستے کو پہچان لے اور جمہوریت اور خلافت میں واضح فرق کو محسوس کر لے۔ اس کے ساتھ نظام خلافت کے لیے خلافت کے اصول و ضوابط کے مطابق مسلم اُمہ کی ذہن سازی کر کے راستہ ہموار کرے۔ جلد یا بدیر ان شاء اللہ جب جب جمہوریت کے طاغوتی نظام کے مکروہ چہرے سے پردہ ہٹتا چلا جائے گا تو مسلم اُمہ میں جمہوریت کے طاغوتی اثرات و عوامل کے حوالے سے شعور بیدار ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ غیر یقینی صورتحال اور پیچیدہ حالات ہی مسلمہ اُمہ کی از سر نو بیداری اور خلافت کا راستہ ہموار کرنے کا باعث ثابت ہوں گے ان شاء اللہ۔

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہؑ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا!
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

☆☆☆

رمضان المبارک اور ہم

23جون 2015ء کو منعقدہ نشست کی تلخیصی رپورٹ

مہمانانِ گرامی:
ڈاکٹر عارف رشید (ناظم اعلیٰ' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور)
حافظ رشید ارشد (ریسرچ سکالر' شعبہ تحقیق' قرآن اکیڈمی' لاہور)

میزبان: وسیم احمد

مرتب: محمد خلیق

سوال: قرآن وحدیث کی روشنی میں رمضان اور قرآن کے باہمی تعلق کی وضاحت فرمادیں؟

ڈاکٹر عارف رشید: ماہِ رمضان المبارک کا قرآن حکیم کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت185 میں واضح کر دیا گیا کہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا تھا۔ نبی اکرمﷺ کی متعدد احادیث میں دن کے روزے اور رات کو قرآن حکیم کے ساتھ قیام کو جمع کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم جو پوری نوع انسانی کے لیے راہنمائی فراہم کرتا ہے' رمضان میں اس کے نزول کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے روزے جیسی افضل عبادت اس مہینے میں فرض کی ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **الصوم لی وانا اجزی بہٖ** یعنی روزے کی عبادت خاص میرے لیے ہے اور میں اپنے خاص خزانہ ٔ فضل سے اس کا اجر عطا فرماؤں گا۔ میں خاص طور پر ایک حدیث کا حوالہ دینا چاہوں گا' حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اس کے راوی ہیں، جس میں قیامت کے دن روزہ اور قرآن بندے کے حق میں شفاعت کریں گے۔ پھر یہ کہ سورۃ القدر ہے' جو میں نہیں سمجھتا کہ جس کا بھی دین اور قرآن سے تھوڑا تعلق ہو اسے یاد نہ ہو۔ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے۔ اسی بنیاد پر ہم پر مزید واضح ہوگا کہ دن کے روزے اور رات کے ایک حصے میں قرآن حکیم کی تلاوت کرنا' اس کو سمجھنا' اس کو سننا ان دونوں چیزوں میں بڑا گہرا تعلق ہے۔

حافظ رشید ارشد: روزے کا حاصل تقویٰ ہے۔ قرآن مجید ویسے تو تمام انسانوں کے لیے بالقوہ ہدایت ہے لیکن اس سے فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں جن کے اندر تقویٰ ہے۔ روزے سے حاصل کردہ تقویٰ کی پونجی لے کر قرآن مجید کے پاس آنا ہوگا تاکہ اس کتاب ہدایت سے بہتر طور پر استفادہ کیا جاسکے۔

انسان کی شخصیت کے دو رُخ ہیں۔ ایک اس کا جسم ہے' دوسرے اس کی روح ہے۔ جسم کا خلاصہ زمین سے آیا ہے اور جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اسی زمین میں اس کو ڈال دیا جاتا ہے۔ اس جسم کے جتنے بھی تقاضے ہیں' آخری تجزیے میں ان کا source زمین ہے۔ اس کے برعکس روح یہاں کی نہیں' وہ اللہ کے پاس سے آئی ہے۔ جس طریقے سے جسم کو قوت حاصل کرنے کے لیے غذا چاہیے' اگر وہ اس کو فراہم نہ کی جائے تو جسم ختم ہوجائے گا۔ اسی طرح روح کی بھی ایک غذا ہے۔ اگر روح کو غذا فراہم نہ کی جائے تو وہ بھی مضمحل ہوجاتی ہے اور آخرکار دم توڑ جاتی ہے۔ اس روح کی غذا وہیں سے آئے گی جہاں سے یہ خود آئی تھی۔ قرآن اللہ کا کلام ہے' اللہ کی یاد ہے۔ حضرت مسیحؑ کہا کرتے تھے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا' وہ اس کلمے سے جیتا ہے جو اس کے رب سے صادر ہوتا ہے۔ قرآن مجید روح کی غذا ہے۔ دن میں روزے کے ذریعے جسم کے تقاضے کچھ کم ہوتے ہیں اور رات میں قرآن مجید کے ذریعے انسان اس کو تازہ کرتا ہے۔ رات کا قیام روح کے لیے خوراک کا بندوبست کرتا ہے۔

سوال: نمازِ تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے متعارف کروایا۔ اس انداز میں دورۂ ترجمہ قرآن کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

حافظ رشید ارشد: نبی اکرمﷺ کے حین حیات میں تراویح اس طرح نہیں پڑھی جاتی تھی۔ قیام اللیل ہوتا تھا۔ لوگ انفرادی طور پر رات کو نماز پڑھا کرتے تھے۔ نبی اکرمﷺ ایک رات اپنے گھر کے باہر احاطے میں قیام فرما رہے تھے۔ کچھ صحابہ نے دیکھا تو وہ آ کر پیچھے کھڑے ہوگئے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی۔ تین دن تک ایسا ہوتا رہا' لیکن اگلے روز رسول اللہﷺ حجرے سے باہر تشریف نہیں لائے۔ پھر آپؐ نے کہا مجھے معلوم تھا کہ تم آئے ہو لیکن میں ارادتاً باہر نہیں آیا کہ اگر میں اس نظام کو جاری رکھوں گا تو کہیں یہ تم پر فرض نہ ہوجائے۔ سیدنا عمرؓ کے زمانے تک ایسے ہی ہوتا رہا' یعنی انفرادی طور پر لوگ اپنی اپنی نماز پڑھتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ مسجد نبوی میں مختلف لوگ جن کو قرآن مجید زیادہ یاد ہوتا تھا' ان کے پیچھے ٹولیوں میں لوگ نماز پڑھتے تھے۔ سیدنا عمرؓ نے جب یہ دیکھا کہ مختلف ائمہ کے پیچھے لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایک امام مقرر کر دیتے ہیں' اس کے پیچھے لوگ نماز پڑھ لیں گے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کے زمانے میں یہ چیز شروع ہوئی۔ ان کا یہ جملہ بہت مشہور ہے: **نعم البدعۃ ھذہٖ** یعنی یہ کیا ہی خوبصورت بدعت ہے۔ یہ بدعت شرعی نہیں ہے بلکہ لغوی حوالے سے ہے کہ ایک ایسا نظام جو نبی اکرمﷺ کے زمانے میں نہیں تھا۔ اس سے ایک بات تو واضح ہوگئی کہ یہ نظام بعد میں جاری کیا گیا۔ اس پر بھی بحث چلتی رہتی ہے کہ یہ آٹھ ہیں یا بیس۔ بہرحال یہ ایک نفل عبادت ہے۔

ترویحہ کا مطلب ہے کہ چار رکعت پڑھنے کے بعد کچھ وقفہ ہوگا۔ ہمارے ہاں بھی ہر چار تراویح کے بعد ایک تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ یہ کلمات رسول اکرمﷺ سے ثابت نہیں ہیں' دو تین دعاؤں کو ملا کر ایک تسبیح بنائی گئی ہے اور ایسا معمول صرف برصغیر میں ہے' عرب میں ایسا کوئی کلمہ نہیں پڑھا جاتا۔ وہاں پانچ یا دس منٹ کا وقفہ کر لیا جاتا ہے جس میں لوگ ذکر یا تلاوت کر لیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے سوچا کہ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ اس وقفے کو کام میں لایا جائے۔ لوگ چونکہ عربی زبان نہیں جانتے' تو ہم ایسا کریں کہ جو قرآن مجید پڑھا جائے گا اس کا ترجمہ پہلے کر لیا جائے تاکہ لوگ جب اس کی سماعت کریں تو کچھ نہ کچھ اثر وہ قبول کرتے رہیں۔ یہ ایک اجتہاد تھا' جیسے عرب میں جمعہ کے دن ایک ہی عربی خطبہ ہوتا ہے جس میں مسنون کلمات بھی

> روزے سے تقویٰ کی پونجی لے کر قرآن مجید کے پاس آنا ہوگا تاکہ اس کتابِ ہدایت سے استفادہ کیا جاسکے

ہوتے ہیں اور دعائیں بھی ہوتی ہیں لیکن ہمارے ہاں اُردو کے ایک خطبہ کا اضافہ کیا گیا اور اس کو کسی نے بدعت نہیں کہا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحبؒ نے ایک نیا نظام وضع کیا تھا' اس لیے اس کو قبولیت میں وقت لگا ہے۔ اب تو بڑے بڑے دارالعلوموں اور مدارس کی مساجد میں یہ معمول ہے کہ دس

رات کا قیام ہماری روح کو خوراک اور طاقت فراہم کرتا ہے

سے پچیس منٹ تک کی کچھ نہ کچھ گفتگو ہوتی ہے۔ کہیں شروع میں ہوتی ہے' کہیں آخیر میں ہوتی ہے' کہیں درمیان میں ہوتی ہے۔ بس یہی اس کی حیثیت ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قبولِ عام دے دیا ہے۔

سوال: ٹی وی چینلز پر سحر و افطار کی ٹرانسمشن کو جس طرح گلیمرائز کیا جا رہا ہے' کیا یہ دین کے ساتھ ایک سنگین مذاق نہیں؟

ڈاکٹر عارف رشید: پہلے میں دورۂ ترجمہ قرآن کے حوالے سے اپنا ایک احساس شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے دورۂ ترجمہ قرآن 1984ء میں شروع کیا تھا۔ یہ رمضان سخت گرمی میں آیا تھا اور راتیں بہت مختصر تھیں۔ آج کل ہمیں اے سی وغیرہ کی جو سہولتیں حاصل ہیں' اس وقت ایسی کوئی شے نہیں تھی۔ آغاز میں عام لوگوں کی طرف سے تاثر آیا تھا کہ یہ کسی طرح چلنے والا کام لگتا نہیں۔ راتیں بہت مختصر تھیں۔ اگلے دن کسی کو اپنی دوکان پر بیٹھنا ہے' کسی کو شوروم پر بیٹھنا ہے' کسی کو ملازمت پر آٹھ نو بجے تک پہنچنا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے! لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تائید حاصل ہوئی اور اِدھر دورۂ ترجمہ قرآن کا آغاز ہوا اُدھر لوگوں کی آمد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ آخری پروگرام کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ نے شرکاء میں سے بعض کو دعوت دی کہ وہ اپنے تاثرات لوگوں تک پہنچائیں۔ بہت سے لوگوں کا تاثر یہ تھا کہ ہمیں تو زندگی میں پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ قرآن حکیم ہم سے کلام کرتا ہے۔ قرآن چاہتا کیا ہے ہم سے! ہم نے تو ہمیشہ اس کو ثواب کمانے کا آلہ سمجھا۔ ہمیں تو آج معلوم ہوا کہ قرآن حکیم ایک کتابِ زندہ ہے اور دورِ حاضر کے مسائل کا حل ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے۔

آپ کے سوال کے حوالے سے عرض ہے کہ اگرچہ میں ٹی وی نہیں دیکھتا لیکن جو بھی باتیں سننے میں آ رہی ہیں' یہ واقعتاً ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ دین کو کاروبار بنا لیا گیا ہے۔ سٹوڈیو کو ایک بڑے سے سٹیڈیم کی طرح سجایا جاتا ہے۔ زرق برق لباس میں خواتین کو لایا جاتا ہے۔ ایک مکس gathering ہوتی ہے۔ بھونڈے قسم کے مذاق کیے جاتے ہیں۔ وہ فنکار جو ہماری نوجوان نسل کے آئیڈیل بن چکے ہیں' جو ڈراموں میں آ رہے ہیں اور جن کا کردار سب کے سامنے ہے' انہیں وہاں بطور مہمان خصوصی اور اچھل کود کے لیے بلا لیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ عین اُس وقت ہو رہا ہے جب کہ افطاری کا وقت ہے۔ یہ وقت ہوتا ہے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا' اللہ سے دعا مانگنے کا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی دوران میں فحش قسم کے اشتہارات چل رہے ہیں۔ گویا رمضان کی نورانیت اور روحانیت کا کہیں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ یہی معاملہ سحری کا بھی ہے' اگرچہ سننے میں آتا ہے کہ ان محافل میں کسی نہ کسی درجے میں سنجیدگی ہوتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس سے دینی اعتبار سے کوئی بھی gain ہمیں حاصل ہو رہا ہے' بلکہ یہ پستی والی بات ہے۔

حافظ رشید ارشد: ایک بات یہ ہے کہ وہاں کیا کچھ دکھایا جا رہا ہے۔ اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کو شریعت endorse نہیں کرتی۔ مثلاً مخلوط مجالس ہیں' کہیں ماڈلز اور اداکارائیں بھی ہیں۔ بیچ میں اشتہارات بھی آ رہے ہیں۔ کوئی کوکنگ شو بھی ہو رہا ہے۔ کچھ سالوں پہلے ایک آدھ چینل نے اس کو شروع کیا اور پھر تمام چینلز نے اس کو pick کر لیا کیونکہ ٹی وی تو ریٹنگ پر چلتا ہے۔ خاص طور پر یہ جو انعام گھر اور اسی فارمیٹ کے دوسرے پروگراموں میں لوگوں کو بھکاری بنا دیا گیا ہے۔ معزز' معتبر مرد اور خواتین منتیں ترلے کر رہے ہوتے ہیں جبکہ اینکر پرسن ایسا لگتا ہے جیسے خدائی مرتبے پر فائز ہیں' جس کو جو چاہیں نواز دیں۔ عجیب و غریب گھٹیا پن کے مظاہرے ہمیں نظر آتے ہیں۔ پورا میڈیا دراصل مارکیٹ driven ہے۔ یہ ہماری سادہ لوحی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ میڈیا نے پروگرام دکھانے ہوتے ہیں اور بیچ میں کچھ اشتہارات بھی آ جاتے ہیں' حالانکہ بات اس کے برعکس ہے۔ اصل میں آپ کو اشتہارات دکھانے ہوتے ہیں' بیچ بیچ میں آپ کا دل لگانے کے لیے کچھ پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس ٹرانسمشن کا ایک پہلو یہ ہو گیا کہ ایسی چیزوں کو شریعت کسی بھی طور endorse نہیں کرتی' چاہے رمضان ہو یا کوئی اور مہینہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو دینی گفتگو ہو رہی ہے اور علماء کرام بھی اس میں آ رہے ہیں' کیا سحر اور افطار کے وقت ہماری یہ روایت تھی؟ کیا ہمیں یہ وقت ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر گزارنا چاہیے؟ بہت سے گھروں میں عام دنوں میں کچھ نہ کچھ ٹی وی چلتا ہے لیکن رمضان المبارک میں وہ بھی طے کر لیتے ہیں کہ اب ٹی وی نہیں چلے گا۔ علماء کرام کا ایسی جگہوں پر جا کر بیٹھنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جیسے یہ سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔ اصل میں ہمیں اللہ کی طرف لو لگانی ہے۔ یہ دعا کا موقع ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تین قسم کے اشخاص کی دعا اللہ کے ہاں رد نہیں کی جاتی' جن میں سے ایک روزہ دار ہے یہاں تک کہ وہ افطار کر لے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سحری کیا کرو' اس میں برکت ہے۔ سحری کوئی لازم نہیں ہے۔ اگر آپ رات کو سو جائیں اور سحر کے وقت نہ بھی اُٹھ سکیں تو آپ کی نیت کے مطابق آپ کا روزہ ہو جائے گا' لیکن علماء نے لکھا ہے کہ سحری میں کئی طرح کی برکتیں ہیں۔ ایک تو فزیکل ہے کہ آپ کچھ کھا پی لیتے ہیں تو دن کے وقت آپ کی انرجی قائم رہتی ہے۔ دوسرے یہ بہت مبارک اور بابرکت وقت ہے۔ قرآن مجید میں اس وقت کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ یہ موقع استغفار کرنے' اللہ سے لو لگانے' دعا کرنے کا ہے۔ بہرحال چاہے سحر و افطار کی ٹرانسمشن سے ساری قباحتیں نکال بھی دی جائیں تب بھی یہ کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے کہ ان اوقات

اعتکاف میں کوئی بھی اجتماعی کام نہیں ہونا چاہیے، لوگ انفرادی عبادت میں لگیں

میں ایک مسلمان ٹی وی کے سامنے بیٹھ جائے۔

سوال: اگر حکومت اور پیمرا رمضان ٹرانسمشن کے لیے کوئی ضابطہ اخلاق بنا دے تو پھر بھی ہمیں ان اوقات میں ٹی وی چینلز نہیں دیکھنے چاہئیں؟

ڈاکٹر عارف رشید: اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ عوام الناس کی ڈیمانڈ کیا ہے! وہ ٹی وی کے عادی تو ہیں ہی' اب ہلے گلے کے بھی عادی بن گئے۔ لہٰذا ہمارا معاشرہ اخلاقی طور پر جس حد تک پہنچ چکا ہے وہ اس قسم کی انقلابی اصلاحات کو ٹھکرا دے گا اور پروگرام آہستہ آہستہ dissolve ہو کر ختم ہو جائیں گے۔ دراصل ہمیں لوگوں کو یہ بتانا چاہیے کہ ان اوقات میں اللہ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کریں۔ رمضان

کی راتیں وہ بہترین وقت ہے جس میں انسان کی روح اللہ کے حضور متوجہ ہوسکتی ہے۔ دوسرے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس ٹرانسمشن میں جیسا بھی پروگرام ہو اس میں ساتھ ساتھ اشتہارات نہ چل رہے ہوں! لہٰذا میں نہیں سمجھتا کہ پیمرا ایسے کوئی اقدامات کرسکتا ہے۔ فرض کیجیے اگر ایسا ہو بھی جائے' تب ان پروگراموں کے اندر کوئی رعنائی رہے گی ہی نہیں۔

سوال: آج کل اعتکاف کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے۔ اعتکاف کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

حافظ رشید ارشد: انسان کے اندر ایک فطری خواہش ہے کہ وہ اپنے خالق کی طرف متوجہ رہنا چاہتا ہے۔ یہی چیز جب غیر معتدل ہو جاتی ہے تو رہبانیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے' جسے اسلام نے پسند نہیں کیا۔ اسلام میں اس چیز کی اجازت ہے کہ خاص طور پر خلوت میں اللہ سے لو لگائی جائے۔ اس کے لیے رات کے وقت کو استعمال کیا جائے۔ جب سے نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے' کوئی سال ایسا نہیں تھا کہ جس میں آپؐ نے اعتکاف نہ کیا ہو۔ ایک سال بوجوہ اعتکاف نہیں ہوسکا تو اگلے سال آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ چنانچہ یہ روایت اُس دور سے چلی آ رہی ہے۔ اصل میں اعتکاف بہت ہی انفرادی اور ذاتی نوعیت کی عبادت تھی۔ اس میں ٹھیٹھ تعبدی امور بجا لانے چاہئیں مثلاً نماز' ذکر' تلاوت وغیرہ۔ بہت سے اکابرین نے تو یہ بھی کہا کہ دینی کتب بھی نہ پڑھیں۔ بہرحال' بعد میں لوگوں نے کہا کہ دینی علم چونکہ کم ہے تو دینی کتابیں وغیرہ آپ پڑھ سکتے ہیں۔

سوال: اجتماعی اعتکاف کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

حافظ رشید ارشد: جہاں تک شہر اعتکاف بسانا ہے' اس میں اب میلے کا سا سماں ہوگیا ہے۔ لوگ حلقوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ تقریریں ہو رہی ہیں۔ وفود سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ ٹی وی چینلز پر یہ سب براہ راست چل رہا ہے۔ یہ ساری چیزیں اعتکاف کی روح کو ختم کر دیتی ہیں۔ اب اکثر مساجد میں تعلیم کا بندوبست ہونا شروع ہوگیا ہے۔ دروس قرآن ہوتے ہیں' شرعی مسئلے بتائے جاتے ہیں' علماء کے لیکچرز ہوتے ہیں۔ اُصولی طور پر وہ بھی نہیں ہونے چاہئیں۔ اصلاً اعتکاف میں کوئی بھی اجتماعی کام نہیں ہونا چاہیے' لیکن لوگوں کو تعلیم دینا بھی ایک دینی ذمہ داری ہے تو کچھ نہ کچھ اس کو کر لیا جائے۔ البتہ زیادہ سے زیادہ وقت لوگوں کو فراہم کیا جائے کہ وہ انفرادی عبادت میں لگیں۔

آج کل ہمارے ہاں گلی محلے کی مساجد میں جو اعتکاف ہوتے ہیں اس میں بہت سے دوست مل کر بیٹھ جاتے ہیں کہ دس دن مزے کریں گے۔ گھر والوں کا کوئی کام نہیں ہے۔ اچھی اچھی افطاریاں آ رہی ہیں۔ گپیں بھی لگ رہی ہیں۔ اب تو ایسی رسومات بھی ہیں کہ اعتکاف کے اختتام پر ہار ڈالے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اعتکاف کی رُوح کے بالکل منافی ہے۔

سوال: روزہ چونکہ پوری دنیا میں ایک ہی دن نہیں رکھا جاتا' لہٰذا طاق راتیں بھی آگے پیچھے ہوں گی۔ ان حالات میں کیا ہر ملک کی لیلۃ القدر مختلف رات کو آئے گی؟

> **لیلۃ القدر کے لیے صرف 27ویں شب مختص نہ کی جائے بلکہ اسے 21 سے 29 تک تلاش کیا جائے**

ڈاکٹر عارف رشید: یہ سوال خاصا مشکل ہے' اس لیے کہ سعودی عرب میں لیلۃ القدر کا وقت امریکہ میں دن دیہاڑے کا وقت ہے۔ اس حوالے سے تو ہمیں بس یہی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس کا تعلق چاند کی رویت کے ساتھ ہے۔ ایک خطے میں اگر چاند نظر آ گیا تو رمضان شروع ہو گیا۔ اسی سے کوئی ہزار ڈیڑھ ہزار میل دور کوئی علاقہ ہے' وہاں اگر نظر نہیں آیا تو وہاں رمضان اگلے دن شروع ہوگا۔ جو طاق رات یہاں آئے گی' وہ وہاں کی جفت رات ہوگی۔ اس موضوع پر ہمیں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والا ہے۔ انسان کے دل میں جو کچھ ہے' اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے۔ ان راتوں کو اپنے علاقے کے اعتبار سے اہتمام کے ساتھ گزارنا چاہیے۔

سوال: یعنی اگر پاکستان کے لوگ طاق رات میں جاگتے ہیں تو ان کو اس کا اجر مل جائے گا؟

ڈاکٹر عارف رشید: ہمارے معاشرے میں یہ بات بہت زیادہ نمایاں نظر آتی ہے کہ صرف 27ویں شب کو اس کے لیے مختص کر لیا گیا ہے جبکہ کسی حدیث کے اندر 27ویں شب کا ذکر تک موجود نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی حدیث جس کا عام طور پر حوالہ دیا جاتا ہے' وہ بخاری شریف میں موجود ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہماری راہنمائی فرمائی کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے عشرۂ آخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اب 21 سے 29 تک کم از کم پانچ راتوں کے بارے میں گمان کیا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک لیلۃ القدر ہے۔ صرف ایک رات کے اوپر قناعت نہ کریں۔ آخری عشرہ میں خاص طور پر تمام ہی طاق راتیں پورے اہتمام کے ساتھ اللہ کے حضور لو لگا کر گزارنی چاہئیں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ انسان اس مہینے میں اپنا محاسبہ کرے کہ اس کے طرزِ زندگی میں کیا چیزیں خلاف شریعت تھیں' کون کون سے حرام کام تھے جن میں وہ ملوث رہا ہے۔ اس کے لیے یہ بہترین موقع ہے۔ ایک ہی رات کے اندر دس دس مسجدوں میں جا کر وہاں کی دعائے ختم قرآن میں شریک ہونے کے بجائے آپ تنہائی میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں!

اس پروگرام کی ویڈیو www.tanzeem.org پر ''خلافت فورم'' کے عنوان سے دیکھی جاسکتی ہے۔

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی' تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I، II، III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501-3
E-mail: distancelearning@tanzeem.org

اخلاص کی اہمیت

قرآن وسنت کی روشنی میں

مولانا انعام اللہ

ہمارے دین میں اخلاص کو بڑی اہمیت حاصل ہے، تمام قولی اور مالی، بدنی اور قلبی عبادتوں کی قبولیت کی بنیاد اخلاص ہے۔ اخلاص کے ساتھ کیا گیا چھوٹے سے چھوٹا عمل بے پناہ برکات اور ثمرات کا حامل ہوتا ہے اور بظاہر بہت بڑا نظر آنے والا عمل جو کہ اخلاص سے خالی ہو وہ بے قیمت اور فضول ہوتا ہے۔ گویا اللہ کے ہاں کسی عمل کا چھوٹا یا بڑا ہونا عدد اور مقدار کے اعتبار سے نہیں بلکہ اخلاص کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

عبادات کی طرح دعاؤں کی قبولیت کی بنیاد بھی اخلاص ہے۔ اخلاص دنیا اور آخرت میں انسان کو بلند مرتبہ کر دیتا ہے۔ اخلاص کی برکت سے وساوس اور اوہام سے حفاظت رہتی ہے۔ اخلاص کی وجہ سے بندوں کا اللہ سے تعلق مضبوط ہو جاتا ہے۔ اس کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔

اخلاص بڑی مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اگر حاصل ہو جائے تو اس سے بڑی دولت کوئی نہیں، مشکل اس لیے کیونکہ دل کو جتنا پاک کرنے اور رکھنے کی کوشش کی جائے، ہوس چھپ چھپ کر تصویریں بنا ہی لیتی ہے۔ حضرت یوسف بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ ”دنیا میں سب سے مشکل چیز اخلاص ہے۔ میری حالت یہ ہے کہ میں ریا کو دل سے ختم کرنے کی بہت کوشش کرتا ہوں لیکن وہ کسی دوسرے رنگ اور شکل میں ظاہر ہو جاتی ہے۔“ (مدارج السالکین)

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل سے مقصد اللہ کی رضا ہو اور صرف اللہ ہی کو دکھانا ہو، کسی اور کو دکھانے کی نیت سے ہرگز دل میں نہ ہو۔ حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ ایک شخص ثواب اور شہرت دونوں کے لیے جہاد میں حصہ لیتا ہے، کیا اسے کچھ حاصل ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اسے کچھ بھی ثواب نہیں ملے گا۔ اس نے تین بار اپنا سوال دہرایا، آپ ﷺ نے تینوں بار یہی جواب دیا کہ اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ بندے کے صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو اس کے لیے خالص ہو اور جو صرف اسی کی رضا کے لیے کیا گیا ہو۔“ (سنن کبریٰ بیہقی)

ایک جانب اخلاص سے عمل میں وزن پیدا ہوتا ہے تو دوسری جانب اس کی برکت سے دل میں معارف پیدا ہوتے ہیں اور زبان ان معارف کی ترجمان بن جاتی ہے۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ ”اگر کوئی شخص چالیس دن تک اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے تو اس کے دل اور زبان سے حکمت و دانائی کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں۔ اخلاص کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا، اس لیے اس کا اجر براہ راست اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔“ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہوتا ہے جسے نہ فرشتہ جانتا ہے کہ اسے لکھ سکے اور نہ شیطان جانتا ہے کہ اسے خراب کر سکے۔

اخلاص کا تعلق زندگی کے ہر شعبے سے ہے اور ایک سچے مسلمان کی زندگی کا کوئی پہلو بھی اس سے خالی نہیں ہو سکتا۔ سارے ہی اعمال میں اخلاص کی ضرورت ہے چاہے عقیدہ ہو یا عبادت، اخلاق ہوں یا معاملات، محنت ہو یا کھیل کود!

اخلاص کی اہمیت: قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن کریم میں بہت سی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب، بغیر اخلاص کے حاصل نہیں کر سکتا اور اخلاص پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

”اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاصِ عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں (اور یک سو ہو کر) نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور یہی سچا دین ہے۔“ (البینہ:5)

”(اے پیغمبرؐ) ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو اللہ کی عبادت کرو (یعنی) اس کی عبادت کو (شرک سے) خالص کر کے، دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا) ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ مقرب بنا دیں۔ تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں اللہ ان کا فیصلہ کر دے گا۔ بیشک اللہ اس شخص کو جو جھوٹا ناشکرا ہے ہدایت نہیں دیتا۔“ (الزمر:3,2)

کوئی بھی کام اگر اخلاص وللّٰہیت کے بغیر کیا جائے گا تو وہ ایسے عظیم نقصان وخسارہ کا ذریعہ ہوگا جس کی کوئی نظیر نہیں ملے گی۔ بلا فائدہ کی مشقت اور بلا اجر وثواب کا کام شمار ہوگا، اور ایسا کرنے والا اپنے آپ کو خود ہی دوزخ کی آگ میں ڈال دیتا ہے جب کہ اس کے بعد والے نیک صالح اہل وعیال اپنے اچھے اعمال و اخلاص کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ خود اور اس کی ریا کاری والا کام جہنم میں ہوگا۔ واقعی یہ بہت بڑی ناکامی اور خسارہ ہے۔

اخلاص کی اہمیت: احادیث مبارکہ کی روشنی میں

صرف اللہ کی رضا کے لیے عمل کرنے کو اخلاص کہتے ہیں۔ جو بھی نیک کام کرو، اس نیت سے کرو کہ اس کے متعلق جو مجھے اللہ نے حکم دیا ہے اس پر عمل کر کے محض اللہ کو راضی کرنا مقصود ہے۔ دنیا کا نفع اور شہرت اور نام ونمود مقصود نہیں ہے۔ آخرت سنور جانے کے لیے کرنا ہے اور یہ تب ہی ہوتا ہے جب نیک عمل کا ثواب مل جانے کا پورا یقین ہو اور ثواب کو کام کی چیز سمجھا جاوے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ”تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی جو وہ نیت کرے گا، پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو تو واقعی اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کی غرض سے ہو تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔“

آج کل لوگوں نے محض ترک وطن کو ہجرت سمجھ لیا ہے خواہ وطن چھوڑنے میں اللہ کی رضا کی نیت بھی نہ کی ہو اور خواہ دوسری جگہ جانے میں راستے میں بہت سی مصیبتیں ہوں اور بہت سوں کے حق دبا کر بھاگے ہوں اور خواہ دوسری جگہ جا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں اور بھی زیادہ منہمک ہو گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ بچائے نفس کی مکاری سے۔ کہاں حضرات صحابہؓ کی نیت اور کہاں آج کل کے لوگوں

کا ترک وطن جس میں نمازیں تک برباد ہوئی ہوں۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے لیے صاحب اخلاص تھا اور نماز پڑھتا تھا اور زکوٰۃ دیتا تھا وہ اس حال میں جدا ہوا کہ خدا اس سے راضی ہے۔(ترغیب)

حضرت ابوفراسؓ کا فرمان ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''اخلاص۔''(الترغیب)

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھ کو رسول اکرم ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو کچھ نصیحت فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دین میں اخلاص رکھو۔ تم کو تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔

بہرحال اخلاص سب چیزوں سے اہم ہے۔ اخلاص والوں پر شیطان کا داؤ ہی نہیں چلتا اور وہ تھوڑے عمل سے بہت سی نیکیاں حاصل کر لیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ شیطان نے مردود ہو کر جب یہ قسم کھائی کہ اے خدا میں تمام انسانوں کو بہکاؤں گا تو اس کو یہ بھی کہنا پڑا مگر تیرے مخلص بندوں کو میں نہیں بہکا سکوں گا۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کا صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔(رواہ احمد)

ایک بار شداد بن اوسؓ رونے لگے۔ عرض کیا گیا آپ کس وجہ سے روتے ہیں۔ فرمایا ایک بات مجھے یاد آگئی جو میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنی تھی، اس نے مجھے رلا دیا۔ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ میں اپنی امت پر سب سے زیادہ شرک اور چھپی ہوئی شہوت کا خوف کرتا ہوں۔ یہ سن کر میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت شرک کرنے لگے گی؟ فرمایا: ہاں! پھر فرمایا: خبردار وہ سورج اور چاند کو نہ پوجیں گے اور نہ کسی پتھر اور بت کی عبادت کریں گے لیکن اپنے اعمال کا دکھاوا کریں گے اور چھپی شہوت یہ ہوگی ان میں سے ایک شخص روزہ رکھے گا پھر اس کی خواہشات میں سے کوئی خواہش پیش آجائے گی تو وہ اپنے روزہ کو چھوڑ دے گا۔''(احمد و بیہقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہت سے روزہ داروں کو اپنے روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا اور بہت سے شب بیداروں کو اپنے قیام وعبادت سے جاگنے اور تھکنے کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ یعنی جب نماز، روزہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ تھا تو اس کا ثواب بھی نہ ہوا۔ جیسا کہ کسی حکیم کا قول ہے کہ ریاکاری اور شہرت کے لیے عمل کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کنکریوں سے بھری ہوئی تھیلی لے کر بازار سے گزر رہا ہو۔ لوگ دیکھ دیکھ کر کہتے ہیں کہ بھئی اس کی تھیلی تو خوب بھری ہوئی۔ مگر اس کو لوگوں کی اس گفتگو کے سوا کیا فائدہ ملا؟ اگر وہ اس سے کچھ خریدنا چاہے تو کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔ ایسے ہی ریا و شہرت کے لیے عمل کرنے والے کو لوگوں کی واہ واہ کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوگا، اور آخرت میں کوئی ثواب نہ ملے گا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ ''اور جو انہوں نے عمل کیے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اُڑتی خاک کر دیں گے۔''(الفرقان:23)

یعنی جو اعمال غیر اللہ کے لیے تھے ان کے ثواب کو باطل کر کے غبار کے ان بکھرے ہوئے ذرات کی طرح کر دیں گے جو سورج کی شعاعوں میں دکھائی دیتے ہیں۔

آغاز
3/اگست 2015ء
دورانیہ: 10 ماہ

قرآن فہمی کورس

سالِ اوّل

- آسان عربی گرامر
- بنیادی قواعد تجوید
- قرآن کریم کا منتخب نصاب
- مطالعۂ حدیث
- ترجمۂ قرآن حکیم
- دورۂ ترجمۂ قرآن
- عقائد وعبادات
- تزکیہ واحسان
- دینی وتحریکی لٹریچر
- سیرۃ النبی ﷺ
- توسیعی محاضرات

اوقات
صبح 8:45 بجے تا دوپہر 1 بجے (پیر تا جمعہ)
- اہلیت برائے داخلہ: تعلیمی قابلیت انٹرمیڈیٹ یا مساوی
- حضرات وخواتین کے لیے (خواتین کے لیے شرکت کا باپردہ انتظام ہے)

سالِ دوم

- علم حدیث
- اصول حدیث
- علم تفسیر
- اصول تفسیر
- علم فقہ
- اصول فقہ
- عقیدہ
- عربی زبان وادب
- فکر اسلامی
- تزکیہ واحسان
- توسیعی محاضرات

اوقات
صبح 8:00 بجے تا دوپہر 1 بجے (پیر تا ہفتہ)
- اہلیت برائے داخلہ: قرآن فہمی کورس سال اول یا مساوی
- صرف حضرات کے لیے

افتتاحی تقریب: 2/اگست 2015ء بروز: اتوار مقام: قرآن اکیڈمی ڈیفنس

- داخلے کا حتمی فیصلہ انٹرویو کے بعد کیا جائے گا۔ انٹرویو کی تاریخ: 28 تا 30 جولائی 2015ء
- واضح رہے کہ قیام وطعام کی سہولیات صرف قرآن اکیڈمی یٰسین آباد میں حضرات کے لیے دستیاب ہیں۔
- اسی طرح فی الوقت سال دوم کا کورس صرف قرآن اکیڈمی یٰسین آباد میں منعقد کیا جا رہا ہے۔
- تفصیلات کے لیے مکتبہ سے پراسپیکٹس حاصل کریں یا ویب سائٹ ملاحظہ کریں۔

مقاماتِ تدریس

انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی رجسٹرڈ —— قرآن اکیڈمی

قرآن اکیڈمی ڈیفنس
خیابان راحت، درخشاں، ڈیفنس فیز 6
فون: 0342-2817966
35340022 (محمد نعمان صاحب)

قرآن اکیڈمی یٰسین آباد
بلاک 9 فیڈرل بی ایریا، یٰسین آباد
فون: 0323-2020907
36806561 (فاروق احمد صاحب)

www.QuranAcademy.com

پاکستانی قوم: عذاب کی زد میں

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

برصغیر پر انگریزوں کی حکمرانی تھی۔ یہاں کے باشندوں کے اندر آزادی حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ دوسری بہت سی قوموں کے علاوہ یہاں دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان تھے۔ ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں سے زیادہ تھی۔ دنیا بھر میں جمہوریت کا غلغلہ اپنے عروج پر تھا، اس لیے ہندو انگریزوں کے چلے جانے پر مطمئن تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو مسلمان انگریز کی غلامی سے نکل کر ہندوؤں کی غلامی میں چلے جاتے جو انگریزوں کی غلامی سے بدتر ہوتی۔ چنانچہ مسلمانوں نے ایک آزاد اسلامی مملکت کا نعرہ بلند کیا۔ بچے بچے کی زبان پر ایک ہی آواز تھی ”لے کے رہیں گے پاکستان۔“ ”پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ“ ہندو تو قیام پاکستان کے مخالف تھے ہی، مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کے خلاف تھی۔ شاید ان کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھی کہ مسلمان الگ خطہ زمین لے بھی لیں گے تو اسلامی نظام رائج نہیں کر سکیں گے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کو منظور تھا اور 14 اگست 1947ء کو معجزانہ طور پر پاکستان وجود میں آ گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ ان کی خواہش تھی کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست بنے۔ یہاں اسلامی قوانین ہوں اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔ مگر ابھی فوری مسائل ہی حل نہ ہوئے تھے کہ وہ بیمار پڑ گئے اور قیام پاکستان کے ایک سال بعد انتقال کر گئے۔ بعد میں آنے والے حکمران قیام پاکستان کا مقصد بھول گئے اور ایک کے بعد دوسرا خودغرض حکمران کرسی اقتدار پر براجمان ہوتا گیا۔ اور اب تو یہ حال ہو گیا ہے کہ اس حقیقت کو بھی جھٹلایا جانے لگا ہے کہ قیام پاکستان کی بنیاد اسلامی نظام کا قیام تھا، حالانکہ ناقابل تردید حقائق، تحریک آزادی اور مسلمانوں کی قربانیاں اس بات کی شاہد ہیں کہ قیام پاکستان کا مقصد صرف اور صرف مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا حصول تھا جس میں اسلامی نظام رائج ہو گا اور مسلمان قرآن و سنت کی بالادستی قائم کر کے عدل اجتماعی کے تحت زندگی گزاریں گے۔

چونکہ پاکستان کے حکمران کبھی اسلامی نظام رائج کرنے کے حق میں نہ رہے اس لیے حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ طرح طرح کے مسائل نے سر اٹھایا، لسانیت اور صوبائیت کے علاوہ کئی دوسرے نعرے لگنے لگے۔ قتل و غارت عام ہوئی۔ پہلے دوسرے ممالک سے اربوں قرض لیا گیا اور اب کھربوں تک نوبت پہنچ چکی ہے۔ یوں خود کفالت کو فراموش کر دیا گیا اور قرض دینے والے ممالک کی غلامی قبول کر لی گئی۔ پاکستان کے عوام پر دشمن ممالک کی پالیسیاں نافذ کی گئیں۔ ان کے حکم پر پٹرول، گیس اور بجلی کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا جاتا ہے خواہ عوام چیختے چلاتے رہیں۔ پاکستان کو اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے وعدے سے انحراف وہ جرم تھا کہ جس کی سزا کے لیے قانون قدرت حرکت میں آیا اور پاکستان کا ایک حصہ پاکستان سے چھن گیا۔ پاکستانی مسلمانوں پر یہ عذاب کا کوڑا تھا جسے قوم نے برداشت کر لیا اور کچھ سبق حاصل نہ کیا۔ شاید ہم لوگ اسی کو عذاب سمجھتے ہیں کہ قوم پانی کے عذاب میں غرق ہو جائے یا آسمان سے پتھروں کی بارش ہو۔ کیا یہ عذاب نہیں ہے کہ قوم مختلف بے شمار فرقوں میں بٹ گئی ہے اور ہر جگہ فرقوں کی سر پھٹول ہو رہی ہے۔ دشمنیاں بڑھ رہی ہیں۔ ایک فرقہ دوسرے فرقے کو نیچا دکھانے کی جدوجہد میں لگا ہوا ہے۔ ایسے ایسے حکمران اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوئے کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کے اداروں کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا۔ یہ بھی معجزہ ہے کہ اس قدر منفی اقدامات کے باوجود ابھی تک کچھ لوگ حسب استطاعت نیکی کی راہ پر گامزن اور نماز روزے کے پابند ہیں۔ ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہے۔ وہ ہر وقت پریشان رہتے ہیں کہ یہ بداطوار معاشرہ کسی طور خوبصورت معاشرے میں تبدیل ہو جائے۔

نماز اسلام کا رکن رکین ہے۔ مگر اکثر حکمران نماز کے پابند نہیں۔ اعلیٰ عہدے داروں کی اکثریت بھی انہیں کے نقش قدم پر گامزن ہے۔ ان کے نزدیک نماز ضائع کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ سرکاری تقریبات کسی بھی سطح پر ہوں ان کے درمیان نماز کا وقت آ جائے تو نماز کے لیے وقت نہیں نکالا جاتا۔

بدعملی کا یہ حال ہے کہ مذہبی پیشوا پختہ کردار کے مالک نہیں۔ وہ دوسروں پر اسلامی تعلیمات کا نفاذ چاہتے ہیں مگر خود وعظ و نصیحت کر کے مطمئن ہیں۔ کتنے عالم دین ہوں گے کہ جو بیٹیوں کو وراثت میں سے حصہ دیتے ہیں۔ اپنے بچوں کی شادیاں سادگی کے ساتھ کرتے ہیں اور اسراف و تبذیر سے بچ کر رہتے ہیں اور فضول اور جاہلانہ رسومات سے گریز کرتے ہیں؟

شرک کی مذمت سے قران مجید بھرا پڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ کیا وہاں شرک نام کی کوئی چیز تھی؟ صحابہ کرام کی زندگیاں توحید خالص پر مبنی تھیں۔ اب ہمارے ہاں شرک یہی ہے کہ کسی کو دوسرا خدا مانا جائے۔ شرک فی الصفات کو کوئی گناہ نہیں سمجھا جاتا۔

ہر سطح پر سودی کاروبار عروج پر ہے۔ سود حرام اور اتنا بڑا جرم ہے کہ سودی کام نہ چھوڑنے والا ایسا ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے ساتھ جنگ کر رہا ہے۔ اس کے باوجود سود ہمارے ہاں جائز ہے اور اسے حکومتی سرپرستی حاصل ہے۔ اگر اسلامی نظریاتی کونسل نے سود ختم کرنے کو کہا تو حکومت وقت نے اس کے فیصلے کو تسلیم نہ کیا بلکہ سودی معاملات کی پہلے سے زیادہ سرپرستی شروع کر دی۔ اس وقت نیشنل سیونگ سنٹر کے سرکاری ادارے جگہ جگہ قائم ہیں جہاں سود کا بھرپور اور علانیہ کاروبار ہو رہا ہے۔

ہمارے پاکستان میں عدل و انصاف کا یہ حال ہے کہ جس حکمران نے سینکڑوں معصوم بچوں اور بچیوں کو انتہائی بے دردی سے قتل کیا اور ان کی مقدس کتابوں اور قرآن پاک کے نسخوں کو گندگی کے ساتھ آلودہ کیا وہ دندناتا پھر رہا ہے اور جن افراد پر شبہ تھا کہ انہوں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا تھا ان کو پھانسی ہو چکی ہے۔

بڑے لوگوں یا سرکاری افسروں کی مجالس اور تقریبات میں شراب serve کی جاتی ہے اور کوئی قانون حرکت میں نہیں آتا کیونکہ سزا صرف ان کو ملتی ہیں جو غریب، نادار اور بے اثر ہیں۔ بارسوخ لوگ ہر قسم کی گرفت سے آزاد ہیں۔

چھوٹی عدالتیں اور سپریم کورٹ سالہا سال کی محنت کے ساتھ تمام ضابطے پورے کر کے مجرم کو موت کی سزا سناتی ہیں مگر صدر پاکستان یک جنبش قلم اس کی سزا معاف کر سکتا ہے۔ گویا اس کی حیثیت خدا اور رسولؐ کے حکم سے بالاتر ہے۔ یہ وہ فیصلہ ہے کہ زمین و آسمان اس کے

نفاذ سے کانپ اٹھتے ہوں گے۔

عورتوں کو جنہیں مستورات کہا گیا ہے یعنی جن کا پردہ میں رہنا فرض ہے، ان کو دفاتر کی زینت بنایا جا رہا ہے۔ پردے کے قرآنی حکم کو پرکاہ کی حیثیت بھی حاصل نہیں۔ عورتوں کو مردوں کے دفاتر میں ملازمتیں دی جا رہی ہے اور نوجوان لڑکے اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں ہاتھوں میں لیے نوکریوں کی تلاش میں ہیں حالانکہ روزگار کی ضرورت مردوں کو ہے جنہوں نے ایک خاندان کی کفالت کرنی ہے۔ عورتوں کو گھریلو امور سرانجام دینے چاہئیں نہ کہ ان کے ساتھ دفاتر کو مزین کیا جائے۔

فرقہ بندی روز افزوں ہے۔ مسلمانوں کو اسلام کے بجائے اپنے فرقے پر فخر ہے۔ ہر فرقے نے اپنی شناخت کا لباس اور ٹوپی مختص کر رکھی ہے یا کوئی اور نشان مقرر کر رکھا ہے۔ اگر حکومت کو فرقہ بندی روکنا ہو تو ان الگ الگ علامتوں کی نمائش پر پابندی لگا دے۔ مگر حکومت کو تو اسی میں فائدہ ہے کہ لوگ آپس میں لڑتے رہیں اور حکومت کی ناجائز اور نامناسب باتوں کی طرف توجہ نہ کریں۔ عوامی نمائندوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو قانون ساز کہلاتے ہیں، لیکن قانون سازی ان کی سردردی نہیں۔ انہیں تو فنڈز دے کر نوازا جاتا ہے تاکہ وہ عوامی فلاح کے کام کریں مگر وہ فنڈز کا بڑا حصہ ہڑپ کر جاتے ہیں۔ یہ حرام خوری نہیں تو اور کیا ہے۔

ٹھیک ہے کہ جب اسلامی معاشرہ نہیں تو ایسے میں اسلامی سزاؤں کا نفاذ درست نہیں۔ تاہم ایسے مجرم جو معاشرے کے لیے خطرناک ہوں اور انہیں عدالت سزا دے تو ایسے مجرموں کو سرعام سزا دی جائے تاکہ ناظرین کے لیے عبرت کا باعث ہو مگر ایسے مجرموں کو چاردیواری کے اندر ہی سزا دی جاتی ہے۔

رشوت کا ریٹ لاکھوں سے تجاوز کر چکا ہے۔ جس بااثر آدمی کے پاس وسائل ہیں وہ اپنے بے اثر مخالف کو قید و بند میں ڈال سکتا ہے۔ امیر آدمی کی امارت اس کے لیے بہت بڑا shelter ہے اور غریب آدمی کی غربت ہی اس کو مجرم ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

ملک کے اندر افراتفری، قتل و غارت، فرقہ واریت، تعصب، ظلم اور ناانصافی، عدل و انصاف کا فقدان، رشوت، دھونس دھاندلی کا راج ہے۔ کیا یہ معاشرے پر عذاب نہیں؟ غرقابی اور سنگ باری کا عذاب اب نہیں آ سکتا۔ اب یہی عذاب ہے جس نے عوام کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ ایک قسم کا عذاب تو وہ تھا جب مشرقی بنگال پاکستان سے کٹ گیا اور نوے ہزار فوجی جوان بھارت کی قید میں چلے گئے مگر یہ عذاب پاکستانی قوم کو راہ راست پر نہ لا سکا۔

کیا یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی بات نہیں کہ پاکستان جو معجزانہ طور پر قائم کیا گیا، جس کے لیے مسلمانوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس خطہ زمین میں اسلامی نظام نافذ کریں گے اور جس کے آئین میں درج ہے کہ یہاں قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی مگر یہاں اسلامی قانون کی بجائے انگریزی قوانین نافذ ہیں مغربی اقوام مادی ترقی میں بہت آگے نکل چکی ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ ہم اسلامی طرز زندگی اختیار کریں۔ قرآن و سنت کے حامل ہونے پر فخر کریں۔ اسلامی نظام رائج کر کے خود بھی پُرسکون ہوں اور دوسری اقوام کو پُرامن معاشرہ قائم کر کے دکھائیں۔ یہی کام ہمیں زیب دیتا ہے اور اسی کام کے لیے رسول اللہ ﷺ کی امت کو خیر امت کا خطاب دیا گیا ہے۔

ہر مسلمان بے سکونی اور پریشانی میں تمنا کر رہا ہے کہ اللہ پاک ہی کوئی مومن مرد مجاہد بھیج دے جو اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملک کی باگ ڈور سنبھالے۔ امن و سکون کا دور دورہ ہو اور عدل و انصاف کا دور لوٹ آئے۔ سب مسلمانوں کے لیے اسلامی شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ جو عذاب آ چکے ہیں ان پر توبہ تائب کی جائے۔ اپنا عمل درست کیا جائے اور مزید کسی بڑے عذاب کو دعوت نہ دی جائے۔ پاکستان کی بقا اس میں ہے کہ یہاں قرآن و سنت پر مبنی نظام خلافت رائج کیا جائے، جس سے عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔ ایک صالح معاشرے کی تشکیل ہوگی اور اللہ کی مدد سے تمام مسائل حل ہوں گے۔

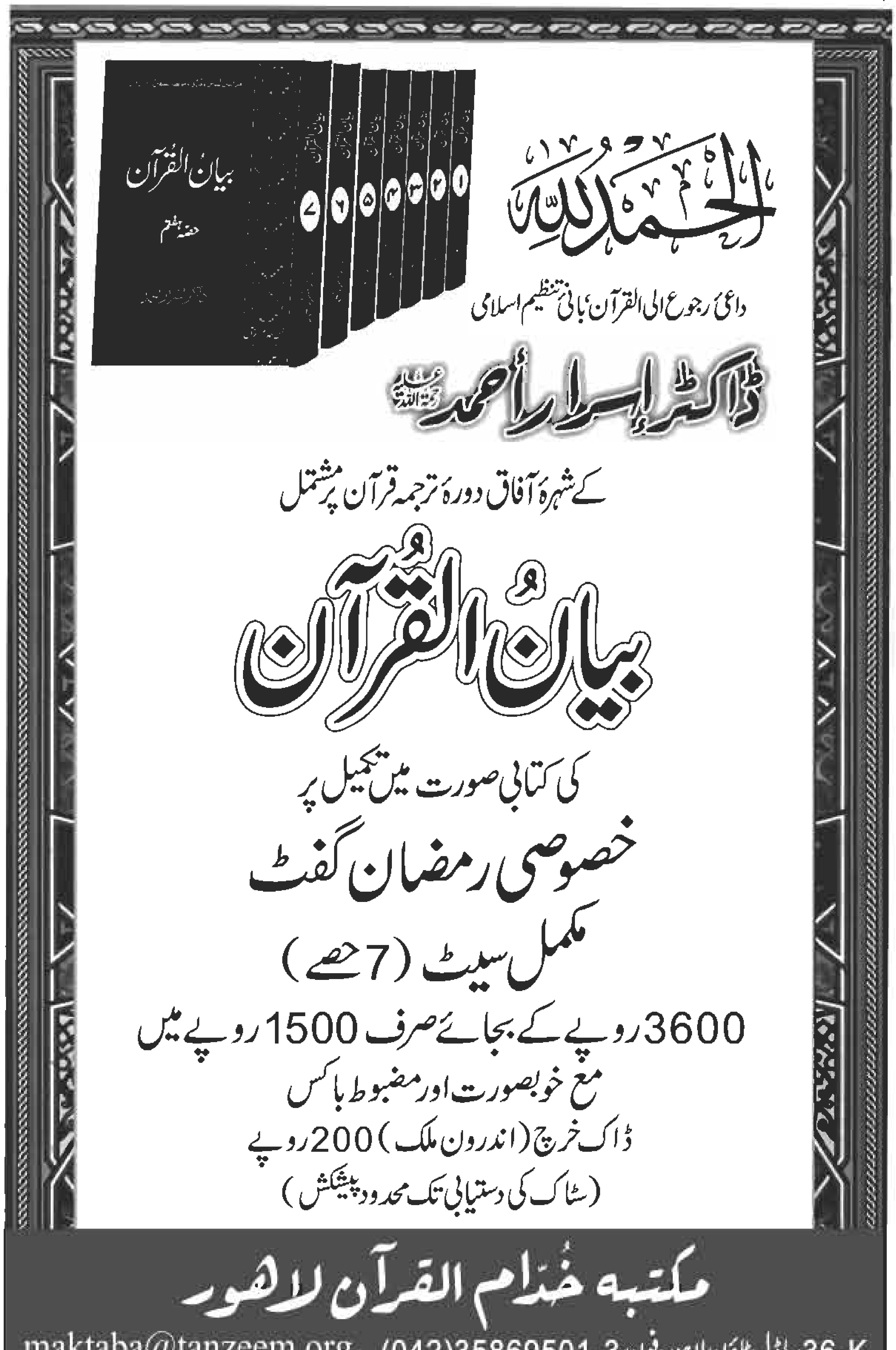

داخلے جاری ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

(پارٹ I اور II)

رجوع الی القرآن کورسز

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہو گی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہو گی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف و نحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی و نحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان و ادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز 10 اگست سے ہو گا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین و حضرات 10 اگست کو صبح 8:30 بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ:
پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: **قرآن اکیڈمی**
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501-3
email:irts@tanzeem. org

ندیم سہیل
0322-4371473

Indo-Israel Ties on a New Dangerous Footing?

No foreign visit of Prime Minister Narendra Modi, who has made as many as 20 foreign trips (including two to Nepal) since his coming to power on 26 May 2014, has evoked as much concern and criticism as his proposed visit to Israel in November this year. This much-talked-about visit, the first ever by an Indian Prime Minister, has been dubbed a 'dangerous foreign policy move', 'thinking out of the box' and 'worrisome'. This is fraught with dangerous diplomatic, economic and strategic consequences that we can ill afford. For this will not only undermine the New Delhi's longstanding firm stand on an independent Palestinian State since the days of Mahatma Gandhi and Jawaharlal Nehru but also jeopardise India's relationship with the Muslim world, our Ministry of External Affairs' assertion that India's West Asia policy has not changed notwithstanding.

Gandhi argued in the most straightforward manner that Palestine belongs to the Arabs in the same sense as England belongs to the English or France to the French. Palestine still continues to pin hope on India for support to the just cause of an independent Palestinian State and acts reciprocally. During the first round of foreign office consultations between India and Palestine held in Ramallah last month, the Palestinian side underlined its support to the efforts of India to obtain a permanent seat in the United Nations Security Council. Will India afford to abandon this happy strategic relationship with Palestine?

The criticism of Congress on Modi's proposed visit is in the fitness of things. But we must remember that it was the 'Soft Hindutva' of Congress that paved the way for full diplomatic ties between India and Israel. Congress Prime Minister P.V. Narasimha Rao, who was a Hindutva face in the ranks of Congress, okayed the bilateral relationship between the two in 1992. This is high time the Congress condemned P.V. openly for taking this flawed foreign policy move and came forward to join hands with other saner groups and individuals to oppose firmly and steadfastly our Prime Minister's proposed visit to the usurper of Palestinian land.

Israel is a trigger-happy state; it has routinely attacked and rendered homeless Palestinians. Year after year it has been expanding its occupied territories and establishing Israeli settlements over there. Each attack of Israel on Palestinian civilians is a sad saga of civil and human rights violation, which the so-called civilized world is bearing with ease. Any attempt to strengthen relationship with this rogue state will yield nothing but chaos in the region.

<u>Courtesy:</u> http://radianceweekly.in